"اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے
ہو حالانکہ وہ اس حق کے ساتھ کفر کر چکے ہیں جو تمہارے پاس آیا اور وہ رسول کو اور تمہیں
نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لا چکے ہو" ۔ (الممتحنہ)
دوستی اور دشمنی
(سورۃ الممتحنہ کی روشنی میں)
تالیف: وسیم محمود فتح اللہ
اردو ترجمہ: مدثر احمد بن محمد ارشد لودھی
مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان
website : http://www.muwahideen.tk
Email : info@muwahideen.tk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ وہ اس حق کے ساتھ کفر کر چکے ہیں جو تمہارے پاس آیا اور وہ رسول کو اور تمہیں نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لا چکے ہو“۔(الممتحنہ)

دوستی اور دشمنی

(سورۃ الممتحنہ کی روشنی میں)

تالیف: وسیم محمود فتح اللہ حفظہ اللہ

اردو ترجمہ: مدثر احمد بن محمد ارشد لودھی حفظہ اللہ

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

website : http://www.muwahideen.tk

Email : info@muwahideen.tk

موضوعات کی فہرست

مقدمہ

الحمدللّٰہ رب العالمین الذی ارسل رسله وانزل کتبه لیخرج الناس من الظلمات الی النور ویهدیهم الی صراط العزیز الحمید والصلاة والسلام علی المبعوث رحمة للعالمین فرق الله تعالیٰ به بین الحق والباطل فافترق الناس بدعوته قسمین فریق فی الجنة وفریق فی السعیر وعلیٰ آله وصحبه الکرام الطیبین الذین تولوا الله ورسوله والمومنین تبروا من الکفر والکفار والمنافقین فاقام الله تعالیٰ بهم الدین وجعلهم ائمة مهتدین لکل من اراد سلوک طریق الحق المبین.

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے خاص ہیں جس نے اپنے رسول اور اپنی کتابیں اس لئے بھیجیں تاکہ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی میں لے آئے اور انہیں عزیز وحمید کی راہ پر گامزن کردے۔ اور درود وسلام ہو اس ہستی پر جنہیں رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا اور جن کے ذریعے اللہ نے حق اور باطل میں فرق کیا لہٰذا ان کی دعوت سے لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے ایک گروہ جنت میں جائے گا اور دوسرا گروہ جہنم میں جائے گا نیز ان کے تابعداروں اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی رحمت وسلامتی ہو وہ پاکیزہ نفوس جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے دوستی کی اور کفر وکفار اور منافقین سے بیزاری ظاہر کی سو اللہ تعالیٰ نے انہیں کے ذریعے دین کو قائم کردیا اور انہیں ہر اس شخص کے لئے قابل اتباع امام بنادیا جو راہ مبین راہ حق پر چلنا چاہتا ہو۔

امابعد!

ہمارے اس دور میں دوستی اور دشمنی کا مسئلہ اپنے تمام احکام اور اقسام سمیت ایمان کے بنیادی مسائل میں سے ایک اہم ترین مسئلہ ہے اور جبکہ ہم کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی پیروی کے دعویدار ہیں تو اس عظیم مسئلے میں بھی ہمیں انہی مصادر ومراجع سے ہی فیضیاب ہونا چاہیے اور سورۃ الممتحنہ ایک ایسی سورت ہے جو دور حاضر کے مسلمانوں کے اس عظیم مسئلے کو پوری طرح اجاگر کرتی ہے اسے پڑھنے اور

اس کے معانی ومفاہیم وتفاسیر صحیحہ میں غور وفکر کرنے کے بعد مزید مطالعہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہٰذا اللہ عزوجل کی ذات بابرکات پر توکل کرتے ہوئے میں نے دوستی اور دشمنی کے عنوان میں رہتے ہوئے اس سورت کی آیات اور مفردات کی تفسیر کا ارادہ کیا ہے۔ اور میری یہ کوشش آپ کے سامنے ہے سورۃ الممتحنہ ایک ایسی مدنی سورت ہے جس میں مکی آیات وسورتوں کے اصولوں کے مطابق عملی مطابقت پائی جاتی ہے اور میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اس سورت کی تفسیر مختصر دورانیے میں مجھے سب سے زیادہ مشکل ایک آیات سے دوسری آیت کی طرف منتقل ہونے میں پیش آئی ہے اس لئے کہ اس سورت کی ہر آیت اپنے قاری کو ذہنی طور پر بالکل مفلوج کرنے کے بعد اس طرح جکڑ کر رکھ دیتی ہے کہ وہ اس سے آزاد ہونے کے قابل نہیں رہتا اس سورت میں ایمانی پکار ہے۔ ابوالانبیاء ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات ہیں۔ اجتماعی معاشرتی اور ریاستی معاملات سے متعلق انتہائی اہم تربیتی اور منہجی تعلیمات ہیں۔ اور پھر نئے سرے سے ایک عظیم الشان معاشرے کی تشکیل وبناء کا اس قدر جداگانہ انداز میں تذکرہ ہے جس کی انسانی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔

اس سورت میں پیش کردہ منہج اس قدر عالمگیر ہے کہ ہر جگہ اور ہر دور کے مسلمان کے لئے یکساں مفید ہے گویا اگر آپ اس سورت کی ترغیبات کو دور حاضر پر منطبق کریں تو یہ اپنی تمام تر کلیات وجزئیات کے ساتھ اس دور کے تمام پہلوؤں پر مکمل طور پر صادق آئے گی اور اس معاشرتی تمام کمیوں اور کوتاہیوں کی اصلاح کردے گی اور کوئی کمی کوتاہی یا خرابی باقی نہیں رہنے دے گی مگر اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی۔

اپنی اس تحریر کو میں نے تین فصلوں اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے پہلی فصل میں اس سورت کی ابتداء۔ اس کی تعریف اور اس کا تاریخی پس منظر اور اس کا سبب نزول اور اس کی خصوصیات ذکر کی ہیں تاکہ قاری اس سورت کے اصل مضمون میں یعنی ''دوستی اور دشمنی'' کے مسائل کو مکمل سیاق وسباق کے ساتھ سمجھ سکے اور اس کے بعد دوسری اور پھر تیسری فصل میں اس سورت کے منہج سے متعلق بعض اسلوبی مباحث بیان کی ہیں اس کے بعد خاتمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ میں نے جو کچھ آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے اس میں وہ اپنی توفیقِ

خاص شامل حال رکھے اور مجھے اور قاری حق کو حق کے مطابق وموافق عمل کی توفیق دے۔(آمین)

اللھم یسر واعن

❀❀❀❀❀

پهلی فصل:

سورۃ الممتحنہ میں دخول

ان شاء اللہ اس سورت کے الفاظ کو صحیح طرح سمجھنے کے لئے اس کا تاریخی پس منظر اور اس کا سبب نزول جاننا ضروری ہے جو ہم اس فصل میں بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ

بحث اول: اس سورت کا عمومی تعارف

تمام مفسرین کے مطابق سورۃ الممتحنہ مکمل طور پر مدنی (مدنی اس سورت کو کہا جاتا ہے جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئی ہو اگر چہ مدینہ کے باہر ہی کیوں نہ نازل ہوئی ہو) ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی:46/18)

مفصل (اس سے وہ سورتیں مراد ہیں جو سورہ ق سے آخر قرآن تک ہیں۔(تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر:89/1))۔سورتوں میں سے ہے اور اس کی کل آیات 13 ہیں اس سورت کا نام ممتحنہ اس لفظ کی ح پر مشہور قول کے مطابق زبر-َ ہے اور ایک دوسرے قول کے مطابق ح کے نیچے زیر-ِ ہے۔

اگر زبر-َ والے قول کا اعتبار کیا جائے تو یہ اس عورت کی صفت ہوگی جس کی وجہ سے یہ سورت نازل ہوئی جیسا کہ ہم آگے بیان کرتے ہیں اور اگر زیر-ِ والے قول کا اعتبار کیا جائے تو سورت کا یہ نام خود سورت ہی کی صفت ہوگی۔(فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن حجر عسقلانی:46/18)

اس صورت میں اس کا معانی ہوگا مختبرہ یعنی امتحان لینے والی جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔(تفسیر قرطبی:46/18)

یہ ایسے ہی ہے جیسے سورۃ البراءۃ کو الفاضحۃ (رسوا کرنے والی) کہا جاتا ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے پہلے قول کو قابل اعتماد قرار دیا ہے یعنی حاء (حَ) کے زبر والا۔(فتح الباری شرح:623/9)

یہ سورت مدنی ہے اور دیگر مدنی سورتوں کی طرح اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کی بناء رکھنے

کے طریقے اس کی حدود وتعلقات اور اس میں رہنے والے افراد کی ذمہ داریاں اور اس میں شہری اور جنگی اور معاشرتی اور ریاستی قوانین کا اجراء اور اسی طرح کے دیگر مسائل پر مشتمل ہے۔

(تفسیر مناھل العرفان الزرقانی: 191/1 اصلی عبارت میں معمولی سا تصرف کیا گیا ہے)

اس سورت کے الفاظ ومعانی میں غور وفکر کرنے والا اس سورت کو اسلامی ریاست کی داخلی اور خارجی دونوں سطحوں پر امن وامان جیسے اہم مسائل پر مشتمل پائے گا داخلی سطح پر اس طرح کہ اس سورت میں ایک طرف مومنوں کی صفات کا اور جن امور پر وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ان کا بیان ہے۔ تو دوسری طرف اس کے غیر مسلموں سے تعلقات اور اس سلسلے کے حدود وضوابط کا بیان ہے اور خارجی پہلو پر اس طرح کہ اس سورت میں اسلامی ریاست سے باہر اغیار (یعنی اسلامی سیاست سے ہٹ کر دیگر مما لک) کے ساتھ معاملات طے کرنے کا دائرہ کار بیان کیا گیا ہے اور ایسے قوانین تشکیل دیئے گئے ہیں جو سیاست کے رازوں اور اس کے امن وامان کی حفاظت کو یقینی بناتے ہیں اس طرح کے انبیاء کے ساتھ تعلقات میں توازن برقرار رکھا جائے اور امت اسلامیہ کے سلامتی کے اسباب کو اختیار کیا جائے اس سورت میں غور وفکر کرنے والا محسوس کر سکے گا کہ اس کے الفاظ وعبارات کا مدار عقیدہ الولاء والبراء (یعنی دوستی اور دشمنی کا عقیدہ) ہے اس سورت کا ان قوانین کو بیان کرنے کا ایسا نرالا انداز ہے جو ان مدنی قوانین کی اس خالص عقیدے پر بناء کرتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ اپنے تیرہ سالہ مکی دور میں بیان کرتے رہے یعنی توحید خالص اور تزکیہ نفس تا کہ لا الٰہ الا اللہ کا پودا لگایا جا سکے اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کی تاسیس (بنیادیں) انتہائی آسان ہو گئیں ۔آپ دیکھتے ہیں کہ اس دور کے تقریباً تمام مما لک انہی داخلی اور خارجی امور اور تعلقات پر سب سے زیادہ توجہ دیتے ہیں خاص طور پر وہ امور جن کا تعلق امن وامان اور انفرادی اور بین الاقوامی تعلقات سے ہو لیکن دنیا میں آپ کو ایسی کوئی ریاست دکھائی نہ دے گی جس کے پاس ایسی اعتقادی وروحانی بنیاد ہو جس کی بناء پر وہ ان قوانین کی کامیابی کو یقینی بنا سکیں جبکہ دین اسلام ہمیں توحید خالص کے عنوان سے ایسی ٹھوس بنیاد فراہم کرتا ہے جس کی بناء پر ان قوانین وضوابط کی کامیابی کو یقینی بنایا جا سکتا ہے بس یہی وہ

کمال اور اعجاز ہے جو اس سورت کو پڑھنے اور اس میں غور و فکر کرنے والا بہت واضح طور پر محسوس کر سکتا ہے کہ یہ سورت اس نظامِ امن کی بنیاد دوستی اور دشمنی کے ایک ایسے عقیدے پر رکھتی ہے جو صرف اور صرف دینِ اسلام کا ہی خاصہ ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم مزید وضاحت کریں گے۔ ان شاء اللہ

یہ عظیم سورت ان سورتوں میں سے ایک ہے جس کی آیات چند اسباب کے تحت نازل ہوئی ہیں اور اس کی خصوصیت کا اس سورت میں بیان کردہ نظامِ امن کے قواعد و ضوابط کی عملی تشکیل (نہ کہ محض ایک ایسی نظریاتی تشکیل جو کاغذ کے پتوں میں تحریر تو ہوتی ہیں لیکن دلوں میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی نہ ہی حقیقی زندگی میں اس کے کچھ اثرات ہوتے ہیں) میں انتہائی اہم کردار ہے چنانچہ ہم اس سورت سے متعلقہ اسباب نزول کے مطالعہ میں عرق ریزی سے کام لیں گے تا کہ اس سورت سے متعلقہ دوستی اور دشمنی کے معانی اور موضوعات کو اچھی طرح اجاگر کیا جا سکے لیکن اس سے پہلے اس سورت کے نزول کا تاریخی پس منظر بیان کرنا ضروری ہے۔

بحث دوم: سورۃ الممتحنہ کا تاریخی پس منظر

6ھ میں طے پانے والی صلح حدیبیہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں کی ایک عظیم الشان فتح تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا﴾ (فتح:1)

''یقیناً ہم نے آپ کو فتح مبین سے ہمکنار کیا ہے''۔

اس صلح کا مقصد یہ تھا کہ نبی ﷺ اور مشرکین کے مابین جاری جنگ دس سال کے لئے بند کر دی جائے اور اس صلح میں دونوں فریقوں کے حلیف اور معاہد (جن کے ساتھ معاہدہ طے پا چکا ہو) بھی داخل ہوں گے اور کسی ایک فریق کے حلیف یا معاھد پر زیادتی خود اس فریق پر زیادتی تصور کی جائے گی نیز اس صلح کی دفعات میں سے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ جو مسلمان قریش کے پاس سے اپنے مالک یا سرپرست کی اجازت کے بغیر نبی ﷺ کے پاس بھاگ کر آ جائے گا اسے نبی ﷺ قریش کو واپس

کر دیں گے اور اگر صورتحال اس کے برعکس ہو تو ایسا نہ ہوگا (آگے چل ہم پڑھ لیں گے کہ اس معاہدے کی اس شق کی تائید سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر 10 میں سات آسمانوں کے اوپر سے کی گئی) اور اس سال مسلمان بیت حرام کا عمرہ کئے بغیر ہی پلٹ جائیں گے (جیسا کہ مسلمان عمرہ کی غرض سے ہی نکلے تھے کہ حدیبیہ کے مقام پر اس معاہدے کا معاملہ ہو گیا) یہ سن کر بعض مسلمانوں کے چہرے اتر گئے اور انہوں نے سمجھا کہ یہ صلح شاید حق کی شکست اور باطل کی جیت ہے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے علانیہ اس معاہدے پر ناراضگی کا اظہار کیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح کو نازل کر کے مسلمانوں کی ناراضگی کو ختم کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفتح پڑھ کر سنائی تو وہ کہنے لگے یارسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے اور ناراضگی ختم کر دی۔

(الرحیق المختوم از صفی الرحمٰن مبارکپوری 330-340۔ اصل عبارت میں معمولی غیر مضر تصرف کیا گیا ہے)

وقت گزرتا رہا اور اس فتح عظیم کے دوررس نتائج حاصل ہوتے رہے جو مسلمانوں سے اب تک پوشیدہ تھے میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ یہ ہمارا موضوع نہیں بہر حال 8 ہجری میں جب قبیلہ خزاعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف بن گیا اور قبیلہ بنوبکر قریش کا حلیف بنا تو قریش نے صلح حدیبیہ کا معاہدہ اس طرح توڑ ڈالا کہ انہوں نے اپنے حلیف بنوبکر کو نبی علیہ السلام کے حلیف خزاعہ پر چڑھائی کے لئے ہتھیار فراہم کئے چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی بدعہدی اور بنوبکر کی چڑھائی سے آگاہ کیا اور مدد چاہی اس موقع پر قریش نے معاملہ دبانا چاہا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ جواب نہ دیا گویا بزبان حال آپ وہ فرما رہے تھے کہ ہمارا جواب وہ نہیں جو تم سن رہے ہو بلکہ وہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔

(الرحیق المختوم از صفی الرحمٰن مبارکپوری 381-383)

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے خلاف جنگ اور مکہ المکرّمہ المشرفہ کو فتح کرنے کا تہیہ کر لیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس ارادے کو انتہائی مخفی رکھنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ لوگوں میں اس کے برعکس کچھ اور مشہور ہو جائے حتی کہ آپ نے بطن اضم کی طرف ایک لشکر بھی روانہ کر دیا تاکہ لوگوں میں یہ مشہور ہو جائے کہ آپ کا قریش پر حملے کا ارادہ نہیں ہے اور آپ کا اصل ارادہ مخفی رہے یہ جنگ سے متعلق آپ کا تجربہ تھا (الرحیق المختوم از صفی الرحمٰن مبارکپوری 384-385)۔ اس کے بعد مکہ فتح ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے دن کے کچھ اوقات کو آپ کے لئے حلال کر دیا تھا کہ آپ اس مکہ پر غزوہ کر لیں پھر بھی خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ہی مکہ فتح ہوا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا اور بے شک اس کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

بحث سوم: سورۃ الممتحنہ سے متعلقہ اسباب نزول

سورۃ الممتحنہ ان سورتوں میں سے ایک ہے جو اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کے مرحلہ وار تنزلی اور شکست اور ان دونوں کا کفریہ شعار سے متاثر ہونے کے اسباب ومحرکات کا مکمل طور پر احاطہ کرتی ہیں لہٰذا اس دور میں خاص طور پر ہمیں اس سورت کے مفاہیم ومطالب پر توجہ دینے کی شدید ضرورت ہے یہ سورت دور حاضر میں عالم اسلام کو درپیش مشکلات سے اس قدر گہرا تعلق رکھتی ہے کہ گویا یہ دور حاضر میں امت مسلمہ کو درپیش مسائل کے اسباب اور ان کے حل کے لئے ہی نازل کی گئی ہو۔ اور جب اس سورت سے متعلقہ اسباب نزول کو پیش کیا جائے گا تو یہ حقیقت خود بخود اجاگر ہو جائے گی کہ یہ اسباب نزول افراد اور مقامات کے معمولی فرق کے ساتھ عصر حاضر میں امت مسلمہ کو پیش ممکنہ شکست سے کس قدر مطابقت رکھتے ہیں سوائے ان اسباب نزول کے جو رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے ساتھ مخصوص ہیں یا اس دور میں رونما ہونے والے کسی ایسے واقعے سے متعلق ہیں جس کے وقوع کا دوبارہ امکان نہیں ہے مثلاً مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [**لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية واذا استنفرتم فانفروا**] ''فتح (مکہ) کے بعد (مکہ سے مدینہ) ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم سے (راہ الٰہ میں) نکلنے کا کہا جائے تو نکل جاؤ'' (صحیح مسلم کتاب الامارۃ حدیث نمبر 1864)۔ یہ ہجرت صرف انہی قدسیوں کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے یہ ہجرت کی ان کے بعد کسی اور کو یہ ہجرت میسر نہیں آسکتی البتہ اس سے ملتے جلتے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں ان میں بعض معنوی ہیں مثلاً کفر سے اسلام کی طرف یا نافرمانی سے اطاعت کی طرف ہجرت کرنا۔ اور بعض حسی ہیں مثلاً دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا۔ یا مسلمانوں کی مدد کے لئے قافلوں کے ساتھ روانہ ہونا یہ بھی ہجرت ہے، اس کی دلیل یہ ہے مجاشع بن مسعود اسلمی

رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت پر بیعت کرنے کے لئے آیا تو آپ نے فرمایا: [ان الهجرة قد مضت لاهلها ولكن على الاسلام والجهاد والخير] ''ہجرت تو مہاجرین کے لئے ہو چکی لیکن اسلام اور جہاد اور خیر پر (بیعت لینے کو تیار ہوں)'' (صحیح مسلم کتاب الامارۃ حدیث نمبر 1863)۔ ہم ان اشخاص و واقعات کے متعلق بحث نہیں کریں گے جن کے متعلق آیات نازل ہوئیں البتہ ان کی صفات اور معانی کے متعلق بحث کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے نزول کی حکمت متعین طور پر معلوم ہو سکے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مناهل العرفان 1/107)

اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات کو نازل کر کے جو قوانین بیان کئے ہیں ان کا مدار بندوں کی مصلحتوں کے حصول اور ان سے نقصانات کو دور کرنے پر ہے اور ان حکمتوں کو ہم صحیح طور پر اسی صورت میں سمجھ سکتے ہیں جب ہم ان واقعات پر غور و فکر کریں جو قرآنی آیات کے نزول کا سبب بنے نیز میں نے اسباب نزول سے متعلق فقط صحیح روایات پر انحصار کیا ہے۔

① سورت کے ابتدائی حصے کا سبب نزول

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا معاہدہ بنوخزاعہ حلیف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بنوبکر کی مدد کر کے توڑ ڈالا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کا عزم کر لیا تھا لیکن اسے انتہائی مخفی رکھا تھا چنانچہ صحیح بخاری میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ: ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا اور فرمایا جاؤ حتی کہ جب آڑو یا پلم کے باغ میں پہنچو تو وہاں تمہیں ایک بڑھیا ملے گی اس کے پاس ایک خط ہوگا وہ اس سے لے لینا۔ کہتے ہیں ہم چلے گھوڑے ہمیں لے کر دوڑتے رہے حتی کہ ہم باغ میں پہنچ گئے وہاں ہمیں بڑھیا مل گئی ہم نے اس سے کہا خط نکال وہ کہنے لگی میرے پاس کوئی خط نہیں ہے ہم نے کہا کہ خط نکال دے وگرنہ ہم تیرا لباس اتار دیں گے کہتے ہیں اس نے وہ خط اپنے موبند (بال کا جوڑھا جو گوندھ کر باندھا جائے) نکال دیا ہم اس خط کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو اس خط میں حاطب بن ابی بلتعہ مشرکین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض رازوں سے

واقف کر رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حاطب یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میرے متعلق جلد بازی مت کیجئے گا (آپ جانتے ہیں) میں قریش کے ساتھ آ کر رہنے لگا تھا (جبکہ میں ان میں سے نہ تھا) وہ کہہ رہا تھا کہ میں ان کا حلیف ہوں البتہ ان میں سے نہیں ہوں اور آپ کے ساتھ جو مہاجر صحابہ ہیں ان کی وہاں (مکہ میں) رشتہ داریاں ہیں جن کی بناء پر وہ ان کے گھر والوں اور ان کے اموال کی حفاظت کرتے ہیں لہٰذا میں نے چاہا کہ جب میرا ان سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے تو ان پر ایک احسان کردوں جس کی بناء پر وہ میرے گھر والوں کی حفاظت کریں اور میں نے یہ کام اپنے دین سے مرتد ہوکر یا اسلام قبول کر لینے کے بعد کفر پر راضی ہوکر نہیں کیا ہے یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ تم سے سچ کہتا ہے''۔ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے :''یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن ماردوں''۔ آپ نے فرمایا: ''یہ بدر میں شریک ہو چکا ہے اور تجھے کیا معلوم شاید اللہ نے بدر میں شریک ہونے والوں پر جھانکا اور کہا جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل کردی:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوا بِمَا جَآءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِى سَبِيلِى وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِى تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَ أَنَا أَعْلَمُ بِمَآ أَخْفَيْتُمْ وَ مَآ أَعْلَنتُمْ وَ مَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيلِ﴾ (ممتحنة:1)

''اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ وہ اس حق کے ساتھ کفر کر چکے ہیں جو تمہارے پاس آیا اور وہ رسول کو اور تمہیں نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لا چکے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد اور میری رضامندی کے لئے نکلے ہو (تو ان سے دوستی نہ کرو) تم ان سے خفیہ دوستی کرتے ہو حالانکہ میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو اور وہ بھی جو تم ظاہر کرتے ہو اور تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا''۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی حدیث نمبر 4274)

یہ حدیث اور یہ آیت دوستی اور دشمنی کے عقیدے میں بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہے آگے چل کر ہم ان دونوں سے متعلق تحریر کریں گے۔ ان شاء اللہ

۲ آیت نمبر 8 کا سبب نزول

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ ''اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے متعلق لڑتے نہیں ہیں''۔ صحیح بخاری میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (قریش کے ساتھ) معاہدے کے زمانے میں میری ماں میرے پاس راغب ہو کر آئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں آپ نے فرمایا: ہاں۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ (جو امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ کے استاذ ہیں اور اس حدیث کی سند کے راویوں میں سے ہیں) فرماتے ہیں: ''پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ ''اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے متعلق لڑتے نہیں''۔

(صحیح بخاری کتاب الادب باب صلة الوالد المشرك حدیث نمبر 5978)

میں کہتا ہوں: یہ قول اگرچہ نہ مرفوع ہے نہ موقوف البتہ اس آیت کے سبب نزول کے متعلق صریح ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اس واقعے کا زمانہ وہ معاہدہ بتایا ہے جو نبی علیہ السلام اور قریش کے مابین تھا اور اس معاہدے والی بات کی صراحت صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے فرماتی ہیں کہ: ''قریش کے معاہدے کے زمانے میں جب آپ نے ان سے معاہدہ کیا ہوا تھا میری ماں میرے پاس آئی اور وہ مشرکہ تھی تو میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں نے کہا: یا رسول اللہ میرے پاس میری ماں راغب ہو کر آئی ہے کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اپنی ماں سے صلہ رحمی کر لے''۔ (صحیح مسلم کتاب الزکاۃ حدیث نمبر 1004)

اس روایت میں بھی اگرچہ اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ یہ اس آیت کا سبب نزول ہے البتہ اس روایت میں اس قصے کا زمانہ واضح طور پر مذکور ہے یہ وہی زمانہ ہے جس میں اس طرح کے واقعات

وحادثات پیش آتے رہتے تھے جو اس سورت کے نزول کا سبب بنے جیسا کہ اس روایت میں صراحت ہے کہ ان کی ماں مشرکہ تھیں۔امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں مکمل اعتماد کے ساتھ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ: ''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی قتیلہ کو دور جاہلیت میں طلاق دے دی تھی اور یہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں پھر اس دوران میں اسماء کے پاس آئیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان جنگ بندی تھی انہوں نے اسماء کو کچھ بالیاں اور کچھ چیزیں بطور تحفہ دینا چاہیں تو اسماء رضی اللہ عنہا نے انہیں قبول کرنا نامناسب سمجھا حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ ''اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے متعلق لڑتے نہیں''۔(ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی الجامع لاحکام القرآن 54/18 امام قرطبی نے اس روایت کو ماوردی اور مسند ابوداؤد الطیالسی کی طرف منسوب کیا ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ یہی راجح سبب نزول ہے واللہ اعلم۔نیز آگے چل کر ہم اس مسئلے کی اہمیت کو بھی اجاگر کریں گے۔ان شاءاللہ

③: آیت نمبر 10 کا سبب نزول

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ﴾ (ممتحنة:10) ''اے ایمان والو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم انہیں آزماؤ''۔ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو مسلمان اپنے مالک یا سرپرست کی اجازت کے بغیر نبی علیہ السلام کے پاس مکہ سے بھاگ کر آجائے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے قریش کے حوالے کر دیں گے اور یہ شرط مردوں اور عورتوں دونوں کے متعلق عام تھی۔عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے انہوں نے مروان اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کو سنا وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے کہ اس دن جب سہیل بن عمرو نے معاہدے کی شروط لکھیں تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ: ''ہم میں سے جو بھی آپ کے پاس آئے گا (اگرچہ وہ آپ کے دین پر ہو) آپ اسے ہمارے

حوالے کریں گے اور آپ ہمارے اور اس کے درمیان حائل نہ ہوں گے''۔تو مسلمانوں نے اسے ناپسند کیا اور اس سے برا منایا لیکن سہیل نے اس شرط پر اصرار کیا تو نبی ﷺ نے اسے لکھوا دیا اور ابوجندل رضی اللہ عنہ کو ان کے والد سہیل بن عمرو کے حوالے کر دیا اور اس مدت میں جو بھی مرد آتا آپ اسے ان کے حوالے کر دیتے اگرچہ وہ مسلمان ہوتا اور کچھ مومن عورتیں بھی ہجرت کر کے آئیں اور ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی ان خواتین میں سے تھیں جو ان دنوں آپ کے پاس آئی تھیں اور وہ ابھی نوجوان تھیں ان کے گھر والے نبی ﷺ سے ان کی حوالگی کا مطالبہ کرنے لگے لیکن آپ نے انہیں ان کے حوالے نہ کیا کیونکہ ان کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل کر دی تھی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾(ممتحنة:10) ''اگر تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو انہیں آزماؤ اللہ ان کا ایمان جانتا ہے پھر اگر تم انہیں مومن کے طور پر پہچان لو تو انہیں کفار کے حوالے نہ کرو نہ تو وہ اُن کے لئے حلال ہیں اور نہ ہی وہ اِن کے لئے حلال ہیں''۔(صحیح بخاری باب ما یجوز من الشروط فی الاسلام حدیث نمبر2711)

عروہ رحمہ اللہ ہی کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ: ''پھر بہت سی مومن عورتیں آئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَ اٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾(ممتحنة:10) ''جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم انہیں آزماؤ پھر اگر تم انہیں مومن کی حیثیت سے پہچان لو تو انہیں کفار کے حوالے نہ کرو نہ تو وہ (مومنات) ان (کفار) کے لئے حلال ہیں اور نہ ہی وہ ان کے لئے حلال ہیں اور انہوں (کفار) نے جو کچھ خرچہ کیا ہو تم وہ انہیں ادا کر دو اور تم پر ان سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو اور کافروں کی عصمتوں (کافر بیویوں) کو نہ روکو''۔اس کے

بعد عمر رضی اللہ عنہ نے دور شرک کی اپنی دو بیویوں کو طلاق دے دی......

(صحیح بخاری کتاب الشروط حدیث نمبر 2731)

میں کہتا ہوں: انداز کلام اس بات کی دلیل ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان آیات کے نازل ہونے کے فوراً بعد طلاق دی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی شان ہے کہ وہ شرعی احکامات پر فی الفور، بلا تردد تامل عمل کرتے تھے چنانچہ اللہ ان سب سے راضی ہو گیا۔

عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کو اس آیت کے ذریعے آزمایا کرتے تھے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ وَ اسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَ لْیَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ، وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ، یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ ''اے ایمان والو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو انہیں آزماؤ پھر اگر تم انہیں مومن کی حیثیت سے پہچان لو تو انہیں کفار کے حوالے نہ کرو نہ وہ ان کے لئے حلال ہے اور نہ ہی وہ ان کے لئے حلال ہیں اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہو تم وہ انہیں ادا کردو اور تم پر ان سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ تم انہیں ان کے مہر ادا کردو اور کافروں کی عصمتوں کو مت روکے رکھو اور تم نے جو کچھ خرچ کیا ہو تم اس کا مطالبہ کرو اور انہوں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ اس کا مطالبہ کریں یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرما رہا ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی تم سے چھوٹ جائے (اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تمہیں اس کا بدلہ لینے کا موقع مل جائے تو جن کی بیویاں چلی گئیں تم انہیں اس قدر دے دو جو انہوں نے خرچ کیا اور جس اللہ پر تم ایمان لائے ہو اس سے ڈرتے رہو اے نبی جب آپ

کے پاس مومن عورتیں آئیں وہ آپ کی اس بات پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی ایسا الزام لگائیں گی جو خود انہوں نے تراشا ہوگا۔ اور نہ ہی کسی معروف کام میں آپ کی نافرنی کریں گی تو آپ ان کی بیعت لے لیجئے اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگئے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "ان میں سے جو ان شروط کو مان لیتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے تجھ سے میں بیعت لے چکا یہ الفاظ ادا کرتے اللہ کی قسم آپ کے ہاتھ نے دوران بیعت کبھی کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا اور آپ ان سے ہمیشہ زبانی بیعت لیتے"۔

(صحیح بخاری کتاب الشروط حدیث نمبر2713)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کن عورتوں کی بیعت لیتے تھے اس سلسلے میں امام قرطبی رحمہ اللہ نے تین اقوال نقل کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

① آپ اس سے قسم اٹھواتے کہ وہ اپنے شوہر کی نفرت یا ایک مقام سے دوسرے مقام کے شوق یا حصول دنیا یا کسی مسلمان مرد کے عشق کے سبب نہیں آئی پھر جب وہ قسم اٹھا لیتی تو آپ اسے قبول کر لیتے یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

② آپ اس کو لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادتوں کے ذریعے آزماتے یہ قول بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

③ آپ اس آیت کے ذریعے آزماتے جو آیت امتحان (جس آیت میں انہیں آزمانے کا حکم ہے) کے بعد ہے یعنی آیت مبایعہ (جس آیت میں بیعت کا تذکرہ ہے) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے گذشتہ حدیث میں اس بات کی صراحت کی ہے۔

(تفسیر قرطبی الجامع لاحکام القرآن18/56-57)

میں کہتا ہوں: یہ تینوں اقوال آپس میں متضاد نہیں ہیں البتہ تیسرا قول سند اور متن کے اعتبار سے قوی ہے اس آزمائش کا تمام تر مدار خالص نیت اور عمل پر ہے ہجرت کی نیت خاص اللہ کی رضا کی ہونی چاہیئے اور ہجرت کفر سے نفرت اور اہل ایمان کی محبت و دوستی کے سبب ہونی چاہیئے اور یہ مقاصد اسقدر خالص

ہونے چاہئیں کہ ان میں دنیا طلبی یا زمین کی سیر یا کسی خواہش کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے۔

④ آیت نمبر گیارہ کا سبب نزول:

یہ بات ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَ لَا تُمۡسِکُوۡا بِعِصَمِ الۡکَوَافِرِ ﴾(ممتحنۃ:10) ''اور کافروں کی عصمتوں (کافر بیویوں) کو مت روکے رکھو''۔ نازل ہوا اس کے فوری بعد عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو طلاق دے دی تھی۔ عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو آزمایا کرتے تھے اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ مسلمان مشرکین کو وہ خرچہ ادا کر دیں جو انہوں نے اپنی ہجرت کرنے والی بیویوں پر خرچ کر رکھا ہو (یعنی حق مہر وغیرہ) اور مسلمانوں کو کافروں کی عصمتیں روکے رکھنے سے منع کر دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو بیویوں قریبۃ بنت ابی امیہ اور بنت جرول الخزاعی کو طلاق دے دی پھر قریبہ نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے اور دوسری نے ابوجہم رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا پھر جب کفار نے وہ خرچہ ادا کرنے سے انکار کر دیا جو مسلمانوں نے اپنی کافر بیویوں پر خرچ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی: ﴿وَاِنۡ فَاتَکُمۡ شَیۡءٌ مِّنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ اِلَی الۡکُفَّارِ فَعَاقَبۡتُمۡ ﴾(ممتحنۃ:11) ''اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی تم سے چھوٹ جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تمہیں اس کا بدلہ لینے کا موقع مل جائے''۔ یہاں بدلے سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں نے کفار کو وہ رقم ادا کرنی تھی جو انہوں نے اپنی (مسلمان ہو کر اور اس سے بھاگ کر مسلمانوں کی طرف) ہجرت کرنے والی بیوی پر خرچ کی ہو اب مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ یہ رقم ان مسلمانوں کو دے دی جائے جن کی بیویاں کفار کے پاس چلی گئیں اور کفار نے ان کے مسلمان شوہروں (سابق خاوند) کو وہ رقم ادا نہ کی ہو جو انہوں نے ان پر خرچ کر رکھا ہو''۔

(صحیح البخاری کتاب الشروط حدیث نمبر 2733)

میں کہتا ہوں: جب کفار نے مسلمانوں کا حق ادا کرنے سے انکار کیا یعنی انہوں نے اپنی ان بیویوں پر جو اب کفار کے پاس جا چکی ہیں جو کچھ خرچ کیا تھا اسے مسلمانوں کو ادا کرنے سے انہوں نے

انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان مسلمانوں کا جو نقصان ہوا اسے اس طرح پورا کریں کہ جو رقم انہوں نے ان کفار کو ادا کرنی تھی (جن کی بیویاں مسلمان ہو کر اپنے کافر شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس آ گئیں اور مسلمانوں میں سے کسی ان سے شادی کر لی اور یہ رقم مسلمانوں کو کفار کو اس لئے ادا کرنی تھی کہ جب وہ عورتیں کفار کے نکاح میں تھیں تو انہوں نے ان پر حق مہر وغیرہ کی رقم خرچ کی تھی اور اب چونکہ یہ مسلمانوں کے پاس آ چکی ہیں اس لئے ان کی خرچ کی ہوئی رقم اب ان عورتوں کے مسلمان شوہروں پر ادا کرنی تھی) اب وہ رقم ان مسلمانوں کو دے دیں جن کی مشرک بیویاں کفار کے پاس چلی گئیں اور کفار نے ان سے نکاح کر لیا اور مسلمانوں نے اپنے وقت میں ان پر جو خرچ کیا تھا کفار نے اسے ادا کرنے سے انکار کر دیا یہ ایک طرح کی سزا ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا دوستی اور دشمنی کے عقیدے پر عمل کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کو بعض ایسے مادی یا غیر مادی اثرات کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے جو ان پر گراں گزریں لیکن یہ چیز عقیدہ الولاء والبراء (دوستی اور دشمنی کا عقیدہ) پر عمل کرنے اور اسے اختیار کرنے میں رکاوٹ نہیں بنی چاہئے بلکہ اس پر عمل کرتے ہوئے ہر اس شخص خواہ مرد ہو یا عورت کو چھوڑ دینا چاہئیے جسے اللہ نے چھوڑنے کا حکم دیا ہے اور ہر اس شخص سے دوستی کرنی چاہئیے جس سے دوستی کا اللہ نے حکم دیا ہے کیونکہ اللہ کو کسی کی ضرورت نہیں ہے وہ غنی ہے بے پرواہ ہے البتہ باقی سب اس کے محتاج اور اس کے در کے فقیر ہیں اور جو شخص اللہ کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے غریبی اور فقیری سے ڈر رہا ہو تو اس کی روزی ورزق اور اس کی ضروریات کی تکمیل کا ذمہ دار اللہ ہے اور اللہ ہی اس کا ضامن ہے۔

⑤ آیت نمبر 12 کا سبب نزول

عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہاجرۃ (ہجرت کر کے آنے والی عورت) کو آزماتے اور وہ آپ کی پیش کردہ شروط کو مان لیتی تو آپ اس سے بیعت لے لیتے بعض دیگر احادیث میں اس مضمون کی مزید وضاحت آتی ہے چنانچہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی چنانچہ آپ نے ہمیں یہ آیت پڑھ کر سنائی ﴿اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ

شَیْئًا ﴾ ''کہ اللہ کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کریں گی'' (الممتحنۃ:12)۔ یہ آیت ''آیۃ بیعۃ النساء عورتوں کی بیعت والی آیت'' کے نام سے پہچانی جاتی اور نبی ﷺ اس آیت میں مذکور امور کی ہی وصیت کرتے انہی کے مطابق ان سے عہد و پیمان اور بیعت لیتے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: ''میں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ عید الفطر کی نماز پڑھتا رہا ہوں یہ سب نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے پھر بعد میں خطبہ دیتے پس ایک دفعہ نبی ﷺ منبر سے اترے گویا میں آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنے ہاتھ کے ذریعے مردوں کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کر رہے تھے اور پھر انہیں چیرتے ہوئے گذرنے لگے یہاں تک کہ بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ عورتوں کے پاس آئے پھر فرمایا ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَ اَرْجُلِھِنَّ ﴾ ''اے نبی جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں وہ آپ کی اس بات پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ ہی کوئی ایسا الزام لگائیں گی جو انہوں نے خود ہی تراشا ہو''۔ یہاں تک پوری آیت تلاوت کی پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا تم اس پر قائم ہو؟ ایک عورت نے جواب دیا اس کے سوا اور کسی نے جواب نہ دیا کہ ہاں یا رسول اللہ۔ حسن رحمہ اللہ کو نہیں معلوم وہ عورت کون تھی (حسن بن مسلم رحمہ اللہ اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں) آپ نے فرمایا: ''سو تم صدقہ دو اور پھر بلال نے اپنا کپڑا پھیلا دیا اور وہ اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں بلال کے کپڑے میں ڈالنے لگیں''۔

(صحیح البخاری کتاب التفسیر حدیث نمبر 4895)

یہ سورۃ الممتحنہ کی آیات کے نزول سے متعلقہ مناسبات اور اسباب ہیں جو ہمیں مل سکے اور عنقریب جب ہم الفاظ پر بحث کریں گے تو آیات کے سیاق وسباق کو عملی طور پر سمجھنے میں یہ اسباب و مناسبات بہت ہی مفید ثابت ہوں گے۔

بحث چہارم: سورۃ الممتحنہ کی موضوعی یگانگت

(یعنی موضوع کا ایک ہونا)

سورۃ الممتحنہ ان سورتوں میں سے جن کی موضوعی یگانگت قائم رہتی ہے اس طرح کہ اصل موضوع اس سورت کے کسی بھی جزء سے محو نہیں ہوتا اور حقیقت یہ ہے کہ اس سورت میں اصل موضوع بیان کرنے کے اسلوب اور طریقے اگرچہ مختلف ہیں لیکن اس کی تمام آیات اس موضوع کی لڑی میں پڑی ہوئی ہیں اور معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا جو اس سورت میں غور وفکر کرے وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس سورت کی آیات کا مدار ایک ہی ہے اور وہ ہے عقیدۃ الولاء والبراء یعنی دوستی اور دشمنی کا عقیدہ اور یہ وہی مدار ومحور ہے کہ عقیدہ توحید کی تمام بنیادی امور اسی مدار میں رواں دواں ہیں اس سورت کا ہر اہم محاورہ اس سورت کے مختصر ہونے کے باوجود عقیدۃ الولاء والبراء (دوستی اور دشمنی کا عقیدہ) کے تقاضوں اور اس کے ظاہری و پوشیدہ بنیادی امور کی حد بندی اور مکمل وضاحت کرتا ہے تا کہ ایمان باطن (اس سے مراد دل میں موجود ایمان ہے) اور اسلام ظاہر (اس سے مراد ایمان باطن کے عملی مظاہر ہیں) دونوں یکجا ومتفق ہوجائیں۔

سورۃ الممتحنہ کی موضوعاتی یکانگت کے چند نمونے

① سورۃ کی ابتداء اور انتہاء میں موضوع برقرار ہے یعنی کفار کو دوست بنانے سے روکا گیا ہے اور اس کے لئے مختلف نفسیاتی اور دینی ترغیبات اختیار کی گئی ہیں جیسا کہ ہم آگے چل کر وضاحت کریں گے۔ان شاءاللہ

② اس سورت میں دوستی کی چند ایسی صورتیں بھی بیان کی گئی ہیں جو اس لائق نہیں کہ مومن ان صورتوں میں کفار سے دوستی کرے بلکہ اس پر ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے مثلاً صلہ رحمی،قومی وجاہت،مالی مفادات وغیرہ۔

③ عقیدۃ الولاء والبراء یعنی دوستی اور دشمنی کے عقیدے کو عملی طور پر اختیار کرنے سے متعلق ابراہیم علیہ السلام کا اسوۃ حسنہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے براءت کا اظہار کیا نیز چند امور کو مستثنیٰ بھی کیا ہے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ اتباع و اطاعت کا مدار حق سے موافقت و مطابقت ہے اگر چہ مقتدی و رہبر کوئی نبی یا اولوالعزم رسول ہی ہو۔ (اس کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کے انبیاء و رسل علیہم السلام میں سے کوئی بسا اوقات باطل پر بھی تھا معاذ اللہ حاشا وکلا بلکہ مراد انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کے وہ اجتہادات ہیں جن کی تائید و تصویب بذریعہ وحی نہ ہو)۔

④ اس سورت میں کفار کے گروہوں میں سے کسی گروہ (جس سے براءت کا اظہار کرنا واجب ہو) کے ساتھ مخصوص نوعیت کے تعلقات اختیار کرنے کی استثنائی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور اس کے لئے انتہائی باریک بین قواعد و ضوابط مقرر کئے گئے ہیں تا کہ مومنوں کے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اصل قاعدہ تو دشمنی کا ہی ہے البتہ یہ استثنائی صورت ہے اور یہ بہترین انداز ہے۔

⑤ اس سورت میں اس بات کی تاکید ہے کہ مومنوں کو آزمایا جائے گا اور اس آزمائش کا مقصد ان کی دلی کیفیات کی جانچ ہے تا کہ مسلمان عملی طور پر اپنے اقوال و احوال میں کم از کم اس کمتر درجے کو اختیار کر لے جو ایک مسلم معاشرے میں امن کا ضامن ہے البتہ اس کی دلی کیفیت اللہ کے سپرد ہو گی یہاں سے معلوم ہوا کہ دوستی اور دشمنی کے عقیدے کو اختیار کرنے کا دعویٰ کرنے والے مسلمان کے لئے کم از کم ایسے قولی اور عملی مظاہرے ضرور ہونے چاہئیے ہیں جو اس کے دعوے کی تصدیق کرتے ہوں اور اس سورت میں بیعت کی شروط میں اس طرح کے چند مظاہرے مختصراً ذکر کئے گئے ہیں جیسا کہ ہم وضاحت کریں گے۔ ان شاء اللہ

سورۃ الممتحنہ کی موضوعی یگانگت کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس سورت میں صرف ایک ہی موضوع ہے بلکہ یہ اس سورت کا اعجاز و کمال ہے کہ یہ عقیدے کے اس بنیادی رکن کے ساتھ ساتھ دیگر موضوعات پر بھی حاوی ہے البتہ اس سورت کے تمام الفاظ اپنی معنوی وسعتوں اور احکامات میں عقیدۃ الولاء والبراء اس طرح اجاگر کرتے ہیں کہ اگر ہم اس عقیدے میں صرف اس سورت پر اکتفاء کر لیں تو یہ ہمیں کافی

ہو جائے گی چنانچہ میرا یہ دعویٰ مبالغہ آمیزی نہ ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ عقیدۃ الولاء والبراء میں اس سورت کے سوا اور کچھ بھی نازل نہ کرتا تو یہی کافی ہو جاتی (جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے سورۃ العصر کے متعلق دعویٰ کیا کہ اگر اللہ اس کے سوا کوئی اور سورت نازل نہ کرتا تو یہی کافی ہو جاتی) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۞۞۞۞۞

دوسری فصل:

دوستی اور دشمنی کے مسائل سورۃ الممتحنہ کی روشنی میں

لفظ ''الولاء'' (دوستی) لفظ الولی (دوست، مددگار) سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے قریب ونزدیک ہونا اور لفظ ولی اس کا اسم ہے یعنی محبت کرنے والا، دوست، مددگار اور لفظ الولاء کا معنی ملکیت بھی آتا ہے اس صورت میں لفظ مولیٰ، مالک، غلام، محبت کرنے والا، اتباع کرنے والے کو کہتے ہیں اور اس کا فعل تولّاہ کا معنی ہوگا اس نے اس کو دوست بنایا اور لفظ ''البراء'' (بیزاری) بَـرَأَ یَبْـرَأُ بَـرَءاً سے بنا ہے بیماری وغیرہ کسی کام سے بری ہونا، جان چھوٹنا، الگ ہونا (ملاحظہ ہوں کتب لغات نیز القاموس المحیط لفیروز آبادی) گویا براء کے معنی کا مدار دور ہونا اور جدا ہونے پر ہے یہ لغوی معانی اصطلاح میں ولاء (دوستی) اور براء (بیزاری) کہتے ہیں: دل، زبان اور اعضاء کے ایسے اقوال وافعال کو جن کا مدار کفار اور ان کی جماعت سے علیحدگی کے ساتھ ساتھ اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے محبت اور دوستی کرنا (مجھے اپنے مطالعہ کی حد تک براء وولاء کی کوئی جامع مانع تعریف نہ مل سکی اگرچہ بعض علماء نے ان کی تعریفات ذکر کیں ہیں اور ان کا مدار بھی وہی نکتہ ہے جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ دوستی اور دشمنی کے مسائل سلف صالحین میں سینہ بسینہ چلتے رہے اور وہ انہیں اچھی طرح جانتے تھے لہٰذا تعریف کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی یہ ایسے ہی جس طرح مسئلہ حاکمیت اور مسئلہ حکم بغیر ما انزل اللہ کی قرون اولیٰ سے کوئی جامع مانع تعریف نہیں ملتی) نیز یہ بات ہم بیان کر آئے ہیں کہ سورۃ الممتحنہ کا مدار یہی ایمانی عقیدہ ہے اور اس فصل میں میں یہی بیان کرنا چاہتا ہوں اب ہم اس سورۃ الممتحنہ کی آیات میں غور وفکر کریں گے تا کہ اس طرح دوستی اور دشمنی کے مسائل اور اصولوں کو جان سکیں اور یہ بھی سمجھ سکیں کہ اللہ کی توحید سے آباد دلوں میں یہ عقیدہ کیا اہمیت رکھتا ہے۔

بحث اول: کفار کی دوستی سے بالکل اجتناب کرنا

اس سورت کی ابتداء ایک بنیادی مسئلے سے کی گئی ہے یعنی لوگوں کا دو گروہوں میں تقسیم ہونا ایک گروہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَ مَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ (ممتحنة:1) ''اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ وہ اس حق کے ساتھ کفر کر چکے ہیں جو تمہارے پاس آیا اور وہ رسول کو اور تمہیں نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لا چکے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد اور میری رضا مندی کے لئے نکلے ہو (تو ان سے دوستی نہ کرو) تم ان سے خفیہ دوستی کرتے ہو حالانکہ جو تم چھپاتے ہو میں اسے بھی جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اسے بھی اور تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا''۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس سے وہ مشرکین اور کفار مراد ہیں جو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے مصروف جنگ ہیں اور اللہ نے ان کے لئے یہ قانون بنایا ہے کہ وہ ان سے دشمنی رکھیں اور ان سے بائیکاٹ کریں اور انہیں ان کو اپنا مددگار یا دوست یا خاص دوست بنانے سے منع کیا ہے''۔ (تفسیر ابن کثیر 109/8)

اس آیت میں واضح طور پر کفار کو دوست بنانے سے روکا گیا ہے اور اسی آیت کے ان الفاظ یعنی ''میرے اور اپنے دشمن'' اور ان الفاظ یعنی ''تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو'' سے یہ وہم نہ ہو کہ فقط ان حالات میں کفار کے ساتھ دوستی کرنے سے روکا گیا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس آیت میں مذکور دشمنی کا تعلق محض میدان جنگ سے نہیں ہے بلکہ اس سے عام دشمنی مراد ہے اس کی دلیل اللہ

تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ﴾ (طٰہ:117) ''پس ہم نے کہا اے آدم یہ (ابلیس ملعون) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے''۔اس سے مراد ابلیس ہے نیز انسان وابلیس سے دشمنی جنگ کی صورت میں نہیں ہے بلکہ عام ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ (الکھف:50) ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا وہ جنوں میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم کو نہ مانا کیا تم اسے اور اس کی نسل کو دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ظالموں کا کیا ہی بدلہ ہے''۔معلوم ہوا کہ قرآن میں لفظ عداوت عام معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کا اطلاق صرف عسکری ٹکراؤ پر نہیں ہوتا نیز یہ دشمنی صرف جنگجو دشمنوں سے نہیں بلکہ ہر کافر سے ہونی چاہئے ایسے ہی ''دوستی کا پیغام بھیجنا'' بھی اس نہی (یعنی کفار سے دوستی کرنے سے منع کرنا) کے لئے قید کا درجہ نہیں رکھتی بلکہ یہ عام حالت کا تذکرہ ہے جو اکثر رہتی ہے اس کا مقصد کفار سے دوستی کرنے والے مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ مذمت کرنا ہے گویا اس آیت کا معنی ہے کہ: ''تم ان دشمنوں کو کیونکر دوست بناتے ہو؟ اور کیونکر ان سے دوستی کرنا چاہتے ہو؟'' واللہ اعلم ۔یہ نکتہ بھی غور طلب رہے کہ یہ آیت دوستی کی تمام صورتوں کی بھرپور مذمت پر مشتمل ہے مودت (جس کا ترجمہ دوستی کیا گیا ہے) دراصل محبت کو کہتے ہیں (القاموس المحیط) ۔اور محبت کی بنیاد دل میں ہوتی ہے اور شاید اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ﴾ ''تم ان سے خفیہ دوستی کرتے ہو'' میں بھی یہی نکتہ مضمر ہے جبکہ اس آیت کے سبب نزول کا تعلق ظاہری عمل سے ہے جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے کفار قریش کی خط لکھنے کا قصہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ وہ اس خط کے ذریعے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر چڑھائی کے لئے آمد سے خبردار کر رہے تھے اور اس عمل کا تعلق ظاہری اعضاء سے تھا نہ کہ ان کے دل سے بلکہ انہوں نے حلفاً یہ بیان دیا تھا کہ ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کی محبت بدستور موجود ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی تصدیق کی تھی اور فرمایا تھا کہ ''یہ تم سے سچ کہتا ہے'' اس نکتے کا

خلاصہ یہ ہوا کہ کفار سے دوستی کا ایسا عملی مظاہرہ جس کا تعلق محض ظاہری اعضاء سے ہو کسی ایسے دل سے ہی ممکن ہوسکتا ہے جس میں ان سے دوستی یا محبت کی کچھ نہ کچھ رمق موجود ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن ماردوں (اس کا یہ معنی نہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ منافق تھے البتہ جس شخص سے بھی اس طرح کے کسی کام کا ارتکاب ہو اس کے مرتد ہونے میں شبہ نہیں رہنا چاہیئے لیکن حاطب رضی اللہ عنہ کو منافق اس لئے نہیں قرار دیا گیا کہ ایک تو وحی نے ان کے ایمان کی تصدیق کردی تھی دوم وہ بدری تھے جیسا کہ آگے آئے گا) یہاں ایک اور نکتہ ہے وہ یہ کہ شریعت جب کسی حکم کو کسی علت پر موقوف کرتی ہے اور وہ علت منضبط (مرتب، مقرر) نہ ہو تو شریعت اس حکم کو اس علت کے امکان پر موقوف کردیتی ہے اس کی مثال وہ مشقت ہے جو روزہ چھوڑنے کی علت ہے اور یہ علت منضبط یعنی مقرر نہیں ہے یعنی مختلف حالات میں مختلف طرح کی ہوتی ہے اس لئے شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت کو مشقت (جو کہ علت ہے) کہ امکان پر موقوف کردیا جو کہ سفر ہے۔

امام محمد ابوزہرہ فرماتے ہیں: ''علت اور حکمت میں یہی فرق ہے حکمت منضبط یعنی مقرر نہیں ہوتی مثلاً سفر میں مشقت یا شفعہ (پارٹنر شپ میں جب ایک شریک اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو ترجیح اپنے پارٹنر کو دے اسے شفعہ کہتے ہیں) میں نقصان لیکن شریعت حکم کو ایک اور ایسے امر پر موقوف کردیتی ہے جو مقرر ہوتا ہے یعنی حکمت کے پائے جانے کا امکان''۔(اصول الفقه محمد ابوزهرة ص :212)

یہاں بھی یہی صورتحال ہے کہ جب کفر و نفاق کی علت کفار کے ساتھ دلی محبت کی ایک نوع کا پایا جانا ہے اور یہ علت مقرر نہیں ہے تو شریعت نے اس حکم کو دلی محبت کے امکان پر موقوف کردیا اور وہ کفار کے ساتھ ظاہری دوستی کا اظہار کرنا ہے۔اس نکتے پر اچھی طرح غور کیجئے یہ بہت اہم ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی دلی کیفیت کی تصدیق بذریعہ وحی کی لیکن اسے ان پر حد ارتداد قائم نہ کرنے کے لئے عذر قرار نہیں دیا بلکہ ان کے لئے ایک ایسی خاص بات کو عذر قرار دیا جو ان کے بعد کسی اور مسلمان کے لئے ثابت نہیں ہوسکتی اور وہ اس کا بدری ہونا ہے لہٰذا جب بدری ہونے یہ حکم

ان کے بعد کسی اور کے لئے ثابت نہیں ہوسکتا تو شریعت کا اصل حکم اپنے عموم کی طرف پلٹ آئے گا اور یہ وہی حکم ہے جس کی صراحت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموش رہ کر ان کی تائید کی تھی اسی بناء پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾ ''اور تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا''۔ ضمناً اس قاعدے کی دلیل ہے کہ ''ظاہر باطن کی دلیل ہوتا ہے'' جیسا کہ امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہیں سے ایمان ظاہرہ کو باطنی کیفیت کی دلیل قرار دیا جاتا ہے اگر ظاہر خراب ہے تو باطن پر بھی یہی حکم لگایا جائے گا اور اگر صحیح ہے تو باطن پر صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور یہ فقہ و دیگر تمام عادتی یا تجرباتی احکام کا عام قاعدہ ہے بلکہ اس قاعدہ کو اس طور پر تمام شریعت میں استعمال کرنا نہایت مفید ہے اور اس کے صحیح ہونے کے بہت سے دلائل ہیں اور اس سلسلے میں ایک یہی دلیل کافی ہے کہ یہی قاعدہ مومن کے ایمان، کافر کے کفر، فرمانبردار کے فرمانبردار اور نافرمان کے نافرمان اور عادل کے عادل اور مجروح کے مجروح ہونے کا فیصلہ کرتا ہے''۔ (الموافقات للشاطبی رحمہ اللہ: 164/1)

اس آیت سے ثابت شدہ حکم کا خلاصہ یہ ہوا کہ کفار سے دلی طور پر یا ظاہری طور پر دوستی کرنا مطلقاً حرام ہے اور کفار کا کافر ہونا ہی ان سے دشمنی رکھنے کے واجب ہونے کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ سورت کے آئندہ مقامات سے مزید وضاحت ہوگی اور کفار کے ساتھ ظاہری دوستی کے مظاہر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کی جائے خواہ رائے یا مشورہ دے کر ہو یا کسی اور طرح خواہ ایسا کرنے والا اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کے لئے اپنے دل کی سلامتی کا کتنا ہی دعویٰ کرتا ہو۔ اس آیت سے واضح طور پر یہ حکم ثابت ہوا کہ کفار سے دوستی حرام ہے اور اس آیت کا سبب نزول یعنی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ حاطب رضی اللہ عنہ جب کفار کو خط لکھ کر آگاہ کر رہے تھے تو وہ بھی اپنے دل میں یہی سمجھ رہے تھے کہ ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول سے متعلق کچھ بھی غلط نہیں ہے بلکہ ان کا اس بات پر بھی ایمان تھا کہ اللہ اپنے رسول کی مدد ضرور کرے گا اور انہیں ہی فتحیاب کرے گا کیونکہ حدیبیہ سے واپسی پر اللہ تعالیٰ آپ کو فتح کی بشارت دے چکا تھا علاوہ

ازیں انہیں اس بات پر بھی کامل یقین تھا کہ کفار سے ان کی یہ خط وکتابت اصل معرکہ پر بالکل اثر انداز نہ ہوگی لیکن یہ تمام احتیاطیں اس خیانت کی گرانباری کو کم نہ کر سکیں نیز میرے خیال کے مطابق جس قدر نرمی حاطب رضی اللہ عنہ کے ساتھ برتی گئی اس قدر نرمی ان سے پہلے کسی اور اس طرح کی خیانت کرنے والے کے ساتھ نہ کی گئی اور نہ ہی ان کے پاس کفار کی مدد کرنے کی صورت میں اسلام کو بالکل نقصان نہ پہنچنے کی اس قدر ضمانتیں موجود تھیں جس قدر حاطب رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں تو جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ ''اور تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا'' میں گمراہی کا داغ لگایا جا چکا ہے وہ کہاں تک بچ پائیں گے؟ اور جبکہ کفار کے ساتھ دوستی لگانے سے روکنا ہی خالص اور اصل منہج ہے تو سورت ممتحنہ میں صرف وہ حدود بیان نہیں کی گئیں جن کی بناء پر کفار اور مسلمانوں میں فرق ہو جاتا ہے نہ ہی اس سلسلے کے خطرناک ترین مقامات سے آگاہی پر اکتفاء کیا جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ يَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ﴾(ممتحنة:2) ''اگر انہیں تم پر دست رس کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے دشمن بن جائیں اور تمہاری طرف برے ارادے سے اپنے ہاتھ پیر بڑھا ڈالیں اور تمنا کریں کاش تم کفر کر لو''۔ بلکہ عقیدۃ الولاء والبراء سے متعلقہ ان تمام مختلف اوہام وشبہات کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے جن کا مدار عام طور پر مصلحتوں کا حصول اور برائیوں اور نقصانات سے اجتناب ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾(ممتحنة:3) ''تمہیں تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد بروز قیامت ہرگز فائدہ نہ دے سکے گی وہ تمہیں الگ کر دے گا اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے''۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب حاطب رضی اللہ عنہ نے یہ عذر بیان پیش کیا کہ اُن کے درمیان اِن کی اولاد اور اُن سے اِن کی رشتہ داریاں ہیں تو رب عز وجل نے وضاحت کر دی کہ اگر ان کی وجہ سے اس کی نافرمانی کی گئی تو وہ بروز قیامت ہرگز فائدہ نہ پہنچا سکیں گی''۔(تفسیر قرطبی 51/18)

میں کہتا ہوں: بلکہ یہ بات بھی ثابت ہے کہ جب قرابت داریوں کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کی جاتی

ہے وہ نافرمانی کرنے والے پر وبال ثابت ہوں گی لہٰذا ایسی چیز کو چاہنا جو نقصان میں مبتلا کر دے کہاں کی عقلمندی ہے یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ دوستی اسے کہتے ہیں جس کا نتیجہ خیر و بھلائی ہو اور اگر کچھ اور ہو تو یہ دوستی نہیں بلکہ ہذیان اور بے وقوفی اور گمراہی ہے۔ اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

بحث دوم: کفر سے اعلان براءت توحید کا تقاضا ہے

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جس خطرناک صورتحال کا شکار ہوئے اس کو کنٹرول کرنے کے بعد اس سورت نے ایک نیا رخ اختیار کیا اور اس خطرناک ترین موقف کی بیخ کنی کی لئے اس سورت میں جو انداز اختیار کیا گیا وہ انتہائی عمدہ ہے اس لئے کہ فقط ظاہری امور کی اصلاح کر دینا اور اصل بنیاد کو نہ چھیڑنا کوئی رنگ نہیں لاتا اور خرابی جڑ سے ختم نہیں ہوتی۔ اگرچہ حاطب رضی اللہ عنہ کے دلی تزکیے کی شہادت وحی نے بھی دی اور ان کا بدری ہونا ان کی اس غلطی کی مغفرت کا سبب بن گیا لیکن اس طرح کی صورتحال ان کے بعد کسی اور کے لئے ممکن نہیں ہے خاص طور پر جبکہ اس سورت نے بھی ان تمام شبہات کو مسترد کر دیا جنہیں حاطب رضی اللہ عنہ نے بطور عذر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا بلکہ خود ان کی عذر خواہی ہی اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ کفار کی مدد کرنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک کفر و ارتداد کی ایک مضبوط نشانی ہوا کرتی تھی اس دعویٰ کو سمجھنے کے لئے آپ خود ہی حاطب رضی اللہ عنہ کے اس قول پر غور کر لیجئے انہوں نے کہا تھا: ''میں نے ایسا اپنے دین سے مرتد ہو کر یا اسلام قبول کرنے کے بعد کفر پر راضی ہو کر نہیں کیا'' (صحیح بخاری)۔ ثابت ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار سے دوستی اور ان سے تعاون کو کفر وارتداد سمجھتے تھے۔

ملاحظہ ہو کہ اس سورت کی ابتدائی آیات ایک خاص مناسبت سے نازل ہوئیں اب جو آیات آئیں گی وہ غلطیوں اور کج رویوں کی بیخ کنی اور دوستی کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کرنے اور اللہ کے سوا سے براءت کرنے کے متعلق نازل ہوئیں اور چونکہ اس اصول کو ثابت کرنے کے لئے بھی کسی ایسے واقعے یا مناسبت کی ضرورت تھی جو ان آیات کے نزول کے وقت پیش آئی ہو اور جن کے متعلق وہ آیات گفتگو

کررہی ہوں تو ابوالانبیاء ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قوم کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس اصول کو عملی طور پر (پریکٹیکلی) ثابت کرنے کے لئے اسے بنیاد بنایا گیا لہٰذا غور کیجئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرَاهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ، رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ ''تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا بے شک ہم تم سے اور اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سے بری ہیں ہم تمہارے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض ظاہر ہے حتی کہ تم اکیلے اللہ پر ایمان لے آؤ مگر ابراہیم کا اپنے والد سے کہنا میں ضرور تیرے لئے بخشش مانگوں گا اور میں اللہ کے مقابلے میں تیرے لئے کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا، اے ہمارے رب تجھ پر ہم نے اعتماد کیا اور تیری طرف ہم نے رجوع کیا اور تیری طرف ہمیں لوٹ جانا ہے اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے آزمائش نہ بنانا اور ہمیں بخش دینا اے ہمارے رب یقیناً تو غالب ہے حکمت والا ہے یقیناً تمہارے لئے ان میں بہترین نمونہ ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور روز آخر سے ملاقات کا یقین رکھتے ہیں اور جو اعراض کرے گا تو یقیناً اللہ بے پرواہ تعریف کیا گیا ہے''۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب اللہ عزوجل نے کفار کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا تو ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا کہ ان کی سیرت کفار سے براءت کرنا ہے یعنی تم ان کے اپنے والد کے لئے استغفار کے سوا باقی امور میں تم ان کی اتباع واقتداء کرو''۔ (تفسیر قرطبی 51/18)

نیز حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یعنی تمہارے لئے ابراہیم اور ان کی قوم میں بہترین نمونہ ہے تم

اسے بنیاد بنا سکتے ہو سوائے ابراہیم علیہ السلام کے اپنے والد کے استغفار کرنے میں'' (تفسیر ابن کثیر 112/8)

میں کہتا ہوں: یہ واقعہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی کی اقتداء اور اہل ایمان کی اتباع کا حکم دیا ہے اس میں خوب اچھی طرح غور وفکر کرنا واجب ہے کیونکہ اس میں انتہائی عمدہ معانی اور بہترین تقریر بیان کی گئی ہے جو کہ درج ذیل ہے:

①: کفر سے دلی نفرت کا اظہار زبان سے کرنا فرض ہے

حاطب رضی اللہ عنہ کے قصہ میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ ان کی مذمت کی وجہ ان کا وہ ظاہری طرز عمل تھا جسے کفار کی جانب ان کے دلی میلان اور ان کے ساتھ ان کی محبت شمار کیا گیا اور جبکہ سورت ممتحنہ نے اس طرز عمل کو حرام قرار دیا تو مناسب محسوس کیا گیا کہ کفار کے ساتھ اس اظہار محبت (جو ان کی ان سے باطنی محبت کی دلیل ہوتا ہے) کی ضد کو بھی بیان کیا جائے چنانچہ اہل ایمان سے بطور وجوب تقاضا کیا گیا کہ وہ کفار سے بغض وعداوت اور براءت کا اعلان کریں تا کہ ایسا کرنا ان کی باطنی کیفیت کو اجاگر کر سکے اور یہ بہترین طرز ہے کیونکہ دل یا تو اللہ کی محبت سے آباد ہو گا یا اس کے دشمن کی محبت سے اگر تو اللہ کی محبت ہے تو گویا زبان اور اعضاء سے اس محبت کے اظہار واعلان کا سبب ومحرک موجود ہے اور جب سبب ومحرک پایا جائے اور کوئی مانع اور رکاوٹ بھی نہ ہو تو اللہ کی محبت کے قولی اور عملی مظاہر ضروری ہو جاتے ہیں پس یہ ناممکن ہے کہ اس صورت میں اللہ کی محبت کے قولی اور عملی مظاہرے نہ پائے جائیں جیسا کہ اس کے برعکس بھی ممکن ہے کیونکہ کسی طرح کے معقول جبر واکراہ (زبردستی) کے بغیر کفار کے ساتھ محبت کے قولی وفعلی مظاہرے یا تو اللہ کی محبت سے پیدا شدہ دلی محرک وسبب کے کمزور ہونے کی دلیل ہیں یا اللہ کی اس دلی محبت سے پیدا شدہ دلی محرک وسبب کے کمزور ہونے کی دلیل ہیں یا اللہ کی اس دلی محبت کے اعلان میں کسی رکاوٹ اور مانع کے پائے جانے کی دلیل ہیں اور حق تعالیٰ کی قسم یہ دونوں صورتیں انتہائی خطرناک بیماریاں ہیں کیونکہ دل میں اللہ کی محبت کا راسخ نہ ہونا صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جب دل میں اللہ کی محبت سے غافل کر دینے والی کوئی شئے ہو اور شرک کی محبت ہی ہو سکتی ہے جیسا کہ کسی مانع اور رکاوٹ کا پایا جانا دل میں اللہ کی محبت اور اس کے اعلان کو کمزور کرتا ہے اور پھر اس محبت کے

تقاضے یعنی قولی وفعلی مظاہرے بھی ناقص اور کمزور ہو جاتے ہیں لیکن جس کا دل اللہ کی محبت سے پر سکون اور اس کی محبت پر مطمئن ہو یہ ناممکن ہے کہ اس سے اس محبت کے عملی وقولی مظاہرے ظاہر نہ ہوں جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ یہی وہ کیفیت ہے جس میں کسی شخص پر اسلام کا حکم نہیں لگایا جاسکتا بلکہ اس کے قول لا الٰہ الا اللہ کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جس کے دل میں ایمان مضبوط ہو اور اس ایمان کے قولی وفعلی اظہار سے کوئی مانع اور رکاوٹ بھی نہ ہو پھر وہ شخص اس ایمان کی قولی وفعلی شہادتیں مرتب نہ کرے یہ ناممکن ہے لٰہذا جب تک وہ اس ایمان کی قولی شہادت پیش نہ کرے اس پر مسلمان ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول پر غور کیجئے فرماتے ہیں: ''تحقیق یہ ہے دل میں موجود ایمان کامل لامحالہ اسی طرح کے ظاہری عمل کا تقاضا کرتا ہے اور کسی دل میں ظاہری عمل کے بغیر ایمان کامل کا پایا جانا ناممکن ہے'' (فتاویٰ ابن تیمیہ : 130/7)۔ اس کے بعد وہ ابوثور رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں جس میں وہ مرجئہ کا رد کر رہے ہیں کہ: ''جان لیجئے اللہ ہم پر اور آپ پر رحم کرے ایمان دل سے تصدیق کرنے اور زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء سے عمل کرنے کا نام ہے یہ اس طرح کہ اہل علم کا اس شخص کے متعلق اتفاق ہے جو اگر کہے ''میں گواہی دیتا ہوں اللہ ایک ہے اور جو کچھ رسول لائے وہ حق ہے اور وہ تمام احکامات کو تسلیم کرے پھر کہے کہ ان میں سے کسی ایک پر بھی میرا دل اعتقاد نہیں رکھتا نہ ہی اس کی میں تصدیق کرتا ہوں'' کہ وہ مسلمان نہیں ہے اور اگر وہ اس طرح کہے کہ ''عیسیٰ ہی اللہ ہیں اور اسلام کا انکار کرے پھر کہے کہ ان میں سے کسی پر بھی میرا دل اعتقاد نہیں رکھتا '' تو بھی اس کا اظہار کر کے کافر ہو گیا اور مومن نہیں رہا حتی کہ اپنے دل سے اس کی تصدیق کرے اور زبان سے اس کا اقرار کرے اور فقط تصدیق بدون اقرار سے بھی مومن نہ بنے گا حتی کہ تصدیق مع اقرار کرے''۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ :242/7)

میں کہتا ہوں: (دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار) کے ساتھ اعضاء سے عمل بھی کرنا ہوگا کیونکہ دل میں ایمان اور اس کے لازمی تقاضوں مثلاً دلی محبت ودلی دوستی کا پایا جانا زبانی اقرار اور عملی اظہار کے بغیر ناممکن ہے چنانچہ قرآن میں ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مومن پیروکاروں کے اس قول سے اسی

طرف اشارہ کیا گیا ہے انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا ﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ﴾ ''بے شک ہم تم سے اور اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سے بری ہیں ہم تمہارے ساتھ کفر کرتے ہیں''۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یعنی ہم تمہارے دین اور طرز عمل کے ساتھ کفر کرتے ہیں'' (تفسیر ابن کثیر: 112/8)۔ اور ان کے اس قول کا عملی اظہار براءت کے ساتھ ساتھ زبانی اعلان براءت ہونا واضح ہے۔

②: کفار سے بغض (نفرت) ظاہر کرنا فرض ہے

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا﴾ (ممتحنة:2) ''اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور نفرت ظاہر ہے''۔ بعض لوگوں کو اس آیت کو سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے کیونکہ اس میں پہلے دشمنی کا ذکر ہے پھر نفرت کا (جبکہ نفرت کا درجہ دشمنی سے کم ہے نیز نفرت دشمنی کی بنسبت آسان ہے اس لئے نفرت فقط دل کا فعل ہے جبکہ دشمنی دل اور اعضاء دونوں کا فعل ہے تو وہ دشمنی کو نفرت کے معنی میں لیتے ہیں جو کہ باطل ہے۔ مترجم) درحقیقت یہ ایک باطل اشکال ہے اور اگر مسلمانوں میں یہ اشکال عام نہ کیا جاتا تو اس کا جواب دینے کی چنداں ضرورت نہ تھی اس مسئلہ کی وسعت ودقت کا تعلق سورت کے شروع میں موجود ﴿عَدُوِّی وَعَدُوَّكُمْ﴾ ''میرے اور اپنے دشمن'' سے ہے اس میں اللہ نے کفار کو اپنا اور مومنوں کا دشمن قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے شروع میں ہی کفار سے دشمنی کا اظہار کر کے اور انہیں اپنا دشمن قرار دے کر ثابت کر دیا کہ ان کی دشمنی اللہ سے ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ مومنوں کے بھی دشمن ہوں۔ چنانچہ شیخ محمد عطیہ سالم فرماتے ہیں: ''حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عداوت کو شرعی وبلاغی حکمت کے تحت پہلے ذکر کیا گیا اور وہ یہ ہے کہ بندے کا اللہ سے دشمنی کرنا ہی اصل بنیاد اور قبیح ترین معاملہ ہے لہٰذا پہلے عادت کا ذکر ہوا اور اس کی قباحت (دشمنی کا پہلو) یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے رازق

کے علاوہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنے رب کے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور انہیں تکالیف دیتے ہیں''۔(اضواء البیان للشنقیطی، اس کا تتمہ محمد عطیہ سالم نے کیا5/317)

اس، یعنی ﴿عَدُوِّی وَعَدُوَّکُمْ﴾ کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لایا گیا ﴿یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ﴾(ممتحنۃ:1) ''رسول کو اور تمہیں اس لئے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لے آئے''۔تا کہ کفار کے مسلمانوں پر ظلم وستم کی حقیقت اجاگر ہو جائے کہ وہ صرف اس لئے ہیں کہ مسلمان اللہ پر ایمان لے آئے یہاں سے یہ بات مزید قوی ہوگئی کہ کفار نے ہی اللہ تعالیٰ کی دشمنی میں پہل کی لہٰذا ترتیب کا اس طرح واقع ہونا ہی صحیح ہے (یعنی پہلے عداوت پھر بغض) کیونکہ مسلمان تو کسی سے دشمنی میں پہل نہیں کرتے نہ ہی اللہ تعالیٰ پہل کرتا ہے بلکہ وہ تو ہدایت اور رحمت میں پہل کرتا ہے لیکن جب یہ قوم گمراہی کے اندھیروں میں داخل ہوگئی اور اپنے رب پر سرکشی کرنے لگی اور اسے برا کہنے اور تکلیف دینے لگی (جیسا حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے آدم کا بیٹا تکلیف دیتا ہے، برا کہتا ہے) تو انصاف نے تقاضا کیا کہ جواب میں اسی طرح کی دشمنی پیش کی جائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا﴾ ''اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی ظاہر ہے''۔یہ برابر کا بدلہ ہے کیونکہ یہ نفرت اور دشمنی دین کی بنیاد پر ہے کسی اور بنیاد پر نہیں اور اس اعتبار سے یہ نفرت اور دشمنی قابل تعریف ہے بالکل اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ یہ دینی قواعد وضوابط کے مطابق ہو اس میں نفسانی خواہشات کا عمل دخل نہ ہو جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے قول ﴿حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ﴾ ''(یہ دشمنی قائم رہے گی) حتی کہ تم اکیلے اللہ پر ایمان لے آؤ'' یہ دشمنی کی انتہاء ہے اور اسی سے ہی اس دشمنی کی بنیاد کا دینی نہ کہ نفسانی ہونا واضح ہوتا ہے گویا ان آیات کا سیاق مسلمانوں کو یہ تنبیہ کر رہا ہے کہ: ''یہ لوگ جن سے تم دوستی کرنا چاہتے ہو کیا اللہ عزوجل کے دشمن نہیں؟ کیا انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر نہیں کیا؟ کیا یہ تمہارے وہی دشمن نہیں جنہوں نے تمہیں گھر سے بے گھر کیا تمہارے مال لوٹے نہیں تمہارے گھر والوں سے جدا کیا صرف اس لئے کہ تم اللہ عزوجل پر ایمان لے آئے، اور اگر وہ تم پر قابو پائیں کیا وہ تمہارا قتل عام نہ کریں گے اور تم پر ظلم وستم کے

پہاڑ نہ توڑیں گے؟ اور کیا یہ انہی لوگوں کا تسلسل نہیں جنہوں نے اس سے پہلے بھی اللہ سے دشمنی کی اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور انہیں ایذائیں دیں جن میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہیں کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تو وہ ان کا مذاق اڑانے لگے انہیں سنگسار کرنے کی دھمکیاں دینے لگے اور انہیں زندہ جلانے کی کوشش کی مگر وہ پھر بھی انہیں دعوت دیتے رہے اور ہر اس شخص کے لئے استغفار کرتے رہے جس کے متعلق انہیں ایمان لانے کی توقع تھی جب ان کی دشمنی میں کمی واقع نہ ہوئی اور وہ روز بروز بڑھتی ہی رہی پھر انہوں نے ان سے صرف اور صرف اپنے رب کی خاطر نہ کی اپنی ذات کی خاطر براءت کا اظہار کر دیا؟ جب یہ وہی لوگ اور انہی کا تسلسل ہیں تو تم ان سے کیونکر دلی یا زبانی یا قولی دوستی کرنا چاہتے ہو خبردار اپنے بابا ابراہیم علیہ السلام کی سنت اختیار کر کے ان کفار سے براءت کا اظہار کرو جس طرح تم ان کے کفر سے نفرت و دشمنی کا اظہار کرتے ہو۔

③: اللہ کی راہ میں درپیش مشکلات پر صبر کرنا اور ثابت قدم رہنا فرض ہے

کلمہ توحید ایک ایسا کلمہ ہے جو انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیتا ہے یعنی مومن اور کافر اور یہی کلمہ حق، آزمائشوں، تزکیہ نفس، مہلت اور دھوکہ کھا جانے کی وجہ بھی ہے آزمائش اور تزکیہ نفس تو مومنوں کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بندگی کو نفسانی خواہشات اور دنیا کی رنگینی کی غلاظتوں سے بالکل پاک وصاف کر کے انہیں توحید خالص کی روشن شاہراہ پر گامزن کر دیتا ہے اس طرح دنیا کی خاطر اسلام لانے والے اور اکیلے اللہ کی محبت میں اسلام قبول کرنے والے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اور مہلت اور دھوکہ کھا جانا یہ کفار کے لئے ہے اس طرح کہ اللہ تعالیٰ بسا اوقات انہیں یہ طاقت دے دیتا ہے کہ وہ اس کے مسلمان بندوں کو تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسا اس لئے کرتا ہے تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ وہ حق پر ہیں پر ان کے گناہوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے جن کے سبب انہیں آخرت میں عذاب دیا جائے گا یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اعراض اور اس کے رسولوں کے احکامات کی خلاف ورزی کی انہیں سزا دی جائے گی چونکہ جب بھی مسلمان اپنے دلوں میں موجود اللہ کی توحید اور اس کی محبت کا اعلان کرتے ہیں کفار کے اشتعال میں اضافہ ہو جاتا ہے لہٰذا مناسب محسوس ہوا کہ ابراہیم

علیہ السلام کا اپنی قوم سے اعلان بغض وعداوت اور اظہار براءت کرنے میں ان کی اتباع واقتداء کی طرف توجہ دلانے کے بعد مسلمانوں کو اس اعلان واظہار بغض وعداوت وبراءت کے لازمی نتیجے کفار کی جانب سے مشتعل ہو کر مسلمانوں کو دی جانے والی ایذاؤں اور تکالیف سہنے اور برداشت کرنے اور ثابت قدم رہنے پر کفار سے مقابلے کے لئے تیار کیا جائے۔ اور اس ترغیب اور اسلوب کی عمدگی میں کوئی شک نہیں ۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ رَبَّنَا لاَ تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْلَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾(ممتحنة:4-5) ''اے ہمارے رب تجھ پر ہم نے اعتماد کیا اور تیری طرف ہم نے رجوع کیا اور تیری طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے آزمائش نہ بنانا اور ہمیں بخش دینا اے ہمارے رب یقیناً تو غالب ہے حکمت والا ہے''۔ یہ صبر کے اسباب اور مقابلے کی تیاری ہے۔امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا﴿رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا ﴾''اے ہمارے رب تجھ پر ہم نے اعتماد کیا''۔ یہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی دعا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مومنوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ یہ دعا کیا کریں یعنی کفار سے بری ہوں اور اللہ پر اعتماد رکھو اور کہو﴿عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا﴾''اور تجھ پر ہم نے توکل کیا''۔یعنی اعتماد کیا﴿وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا ﴾''اور تیری طرف ہم نے لجاجت کی''یعنی رجوع کیا﴿وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴾''اور تیری طرف ہو جانا ہے''یعنی آخرت میں پلٹ جانا﴿رَبَّنَا لاَ تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾''اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا''یعنی ہمارے دشمن کو ہم پر غالب نہ کرنا کہ وہ خود کو حق پر سمجھنے لگیں اس طرح فتنے میں پڑ جائیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تو انہیں ہم پر مسلط نہ کرنا کہ وہ ہمیں آزمائش اور عذاب سے دوچار کردیں﴿وَاغْفِرْلَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾''اور ہمیں بخش دینا اے ہمارے رب تو یقیناً غالب حکمت والا ہے''۔

(تفسیر قرطبی 52/18)

میں کہتا ہوں: ان آیات میں اللہ کے سامنے جھک جانے اور اس کی بندگی کرنے کی وہ تمام خوبیاں جمع کردی گئی ہیں جنہیں ایک مستقل کتاب میں بیان کرنے کی ضرورت ہے لیکن چند خوبیاں درج ذیل

ہیں:

① توکل کے لئے تیار کرنا:

یہ حالات کے عین مطابق ہے کیونکہ جب مومن کفار سے اظہار براءت کریں گے (کیونکہ ان سے دشمنی کے تمام اسباب جمع ہیں اور دوستی کا ایک سبب بھی نہیں اس طرح کہ کفار مومنوں کے لئے نہ تو نفع کا اختیار رکھتے ہیں نہ نقصان پہنچانے کا کہ جس کے وجود یا عدم وجود کے سبب ان سے دوستی کی جائے) تو مناسب محسوس ہوا کہ مومنین اپنی کوششوں اور قوتوں پر اعتماد نہ رکھیں بلکہ ان کے بجائے اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھیں کیونکہ وہ خود اپنے نفسوں کو نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے لہٰذا جب انہوں نے کفار سے اظہار براءت کرلیا اور خود کی کوششوں اور قوتوں سے بھی بے پرواہ ہو گئے اب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ایسی ہے جس کی پناہ میں وہ آسکتے ہیں اس طرح جمیع مخلوقات سے براءت (بے پرواہی) محمودہ کے ساتھ ساتھ خالق سے محمود ترین دوستی اور مدد طلبی جمع ہو گئیں اور یہ توکل کی کامل ترین صورت اور مومنوں کے لئے مضبوط ترین سہارا بن گیا اس اعتبار سے یہ انتہائی بہترین معنی ومفہوم ہے۔

② انابت (لجاجت، بار بار رجوع کرنا) اور رجوع (آخرت میں اللہ کے حضور پیش ہونا) کی عبادت:

انابت ایک طرح کی بندگی ہے جس کے ذریعے دنیا میں اس یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے کہ آخرت میں انجام اللہ کی طرف رجوع ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ ''اور تیری طرف ہم نے رجوع کیا اور تیری طرف ہم نے پلٹ جانا ہے''۔ ان لوگوں کے یقین کامل کی دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر یقین رکھتے ہیں فرمایا ﴿لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (ممتحنۃ:3) ''تمہیں تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد بروز قیامت ہرگز نفع نہ دے سکیں گی وہ تمہیں جدا جدا کردے گا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے''۔ لہٰذا جب ان لوگوں کو اس بات کا کامل یقین ہے کہ انجام بالآخر اللہ

تعالیٰ کی طرف پلٹ جانا ہے جہاں نہ رشتہ داریاں کام آئیں گی نہ ہی اولاد واموال تو وہ ان دنیاوی ساز وسامان سے بے پرواہی برتتے ہیں اور ان کی طرف توجہ نہیں دیتے اور انتہائی عاجزی وانکساری سے گڑگڑا کر اپنے رب کی پناہ چاہتے ہیں اور اسی کی ذات سے غلبے اور عزت کی آس لگاتے ہیں ان کے مخلوق کا وجود یا عدم وجود برابر ہے جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں: ''یعنی ہم نے تمام معاملات میں تجھ پر بھروسہ کرلیا اور ہم نے اپنے تمام معاملات تیرے حوالے اور سپرد کردیئے اور آخرت میں ہمیں تیری طرف ہی پلٹ کر آنا ہے''۔(تفسیر ابن کثیر112/8)

③ دعا کے لئے تیار کرنا

کفر اور کفار سے اظہار براءت عداوت کرتے رہنا خواہ کتنی ہی دھمکیاں اور ایذائیں دیں اس راہ حق پر چلنے والوں کے لئے دعا ایک قیمتی سرمایہ ہے چونکہ مومن اپنی نفس کی کمزوری سے واقف ہوتا ہے اوراس کے دل میں موجود عقیدہ توحید کو توڑنے کے لئے ہر طرف سے کئے جانے والے حملوں سے خوفزدہ رہتا ہے لہٰذا اس برائی سے بچنے کے لئے وہ لامحالہ ہر وقت اللہ سے دعا کرتا ہے اس عظیم الشان دعا پر غور کیجئے جو ابراہیم علیہ السلام نے کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے لئے اسوہ حسنہ قرار دے دیا انہوں نے کہا تھا ﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْلَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ''اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنانا اور ہمیں بخش دینا اے ہمارے رب یقیناً تو غالب حکمت والا ہے''۔ یہ دعا اللہ کے ربوبیت کے اقرار اور گناہوں کی بخشش میں اس کی طرف متوجہ ہونا پر مشتمل ہے اور انہوں نے مصائب وفتنوں سے محفوظ رہنے کے لئے لمبی چوڑی دعا نہیں کی کہ یا اللہ ہمارا امتحان نہ لینا آزمائش میں نہ ڈالنا وغیرہ وغیرہ کیونکہ اللہ ہی جانتا کے ان کے حق میں کیا بہتر ہے بلکہ جو انہوں نے گذارش کی وہ کسی ایسے شخص کی گذارش ہے جو اپنے آپ پر ترس کھا کر خود کو اپنے آقا اور مالک کی ناراضگی سے بچانا چاہتا ہو کیونکہ وہ تو ڈر رہے تھے کہ کسی ایسی آزمائش سے دوچار نہ ہو جائیں جس میں پڑ کر وہ حق پر ثابت قدم نہ رہ سکیں اور ڈگمگا جائیں اس کے بعد انہیں پرواہ نہیں کہ ان کے جسم اللہ کی راہ میں فنا ہو جائیں ایک شاعر ان کی حالت کی ترجمانی کچھ اس طرح کرتا ہے ۔

لئن ساء ني ان نلتني بمساءة　　　قد سرّني انه خطرت ببالكا

اگر مجھے یہ بات بری لگتی ہے کہ تو مجھے کسی مصیبت میں ڈال دے
تو یہ بات مجھے پسند ہے کہ میں تیری خاطر خطرے میں ڈالا گیا

ایک اور شاعر کہتا ہے:

ان كان سرّكم ما قال حاسدنا　　　فما لجرح اذا ارضاكم الم

اگر تمہیں ہمارے حاسد کی بات خوش کرتی ہے تو
زخم کی پرواہ نہیں جبکہ تمہیں خوش ہی درد کرتا ہے

لہٰذا یہ بڑی ہی شفقت اور اللہ کے سامنے اظہار عاجزی والی اور اپنی ہر کوشش وطاقت کی نفی کر کے اللہ کی قوت وطاقت پر اعتماد دلانے والی دعا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس کا معنی ہے کہ تو ہمیں نہ تو ان کے ذریعے عذاب دے اور نہ ہی خود عذاب دے کہ وہ یہ کہنے لگیں اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو ان پر عذاب نہ آتا۔ (تفسیر ابن کثیر 112/8)

ان کا حقیقی مقصد حق کو غالب کرنا ہوتا ہے نہ کہ اپنے جسم اللہ کی راہ میں لٹانے میں بخل دکھانا اور ان کا اصل ہدف حق کو غالب کرنا ہوتا ہے خواہ اس کے لئے کتنی ہی تکالیف سہنی پڑیں اور انہیں زیادہ سے زیادہ ڈر اس بات کا ہوتا ہے کہ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کر دیا جائے کہ باطل پرست اپنے باطل کو اس طرح غالب کریں کہ لوگ اس کے فتنے میں مبتلا ہو کر اللہ کی حقیقی مراد سے غافل ہو جائیں اور حق تعالیٰ کی قسم حق کی خدمت اور اللہ کے دین کی مدد کرنے کا انجام ایسا ہو بھی تو وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔

(۴) اس دعا میں موجود اللہ کے ناموں کا موقع محل کے مطابق ہونا

یہ بڑی بہترین مناسبت ومطابقت ہے کہ جب یہ خوف پیدا ہو کہ کفار مسلمانوں پر غالب نہ آجائیں تو اس میں بزدلی اور بے جا کمزوری کا شبہ ہوا لہٰذا اللہ تعالیٰ سے اس کے نام العزیز غالب کے ذریعے دعا کی گئی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ﴾ ''یقیناً تو غالب حکمت والا ہے'' کے متعلق فرماتے ہیں: ''یعنی جو تیری جناب کی پناہ پکڑ لے اس پر ظلم نہیں

ڈھایا جاسکتا''۔ ''الحکیم، حکمت والا''یعنی تو اپنے اقوال وافعال اور قانون وقدر میں حکمت والا ہے''۔(تفسیر ابن کثیر 113/8)

میں کہتا ہوں: اس کا معنی ہے کہ اپنی گذارش پیش کرنے اور دعا کرنے کے بعد وہ یہ اعلان کررہے ہیں کہ وہ اللہ ہی غالب ہے لہٰذا وہ کسی اور سے غلبے کی آس نہیں لگاتے اور وہ کفار سے براءت کا حکم دینے اور انہیں مختلف حالات سے دوچار کرنے میں حکمت والا ہے اس نام کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے امر شرعی یا کونی قدری پر اعتراض کا شبہ نہ ہو۔ درحقیقت یہ دعا ایک عظیم عبادت، اللہ عزیز وحکیم کے سامنے عاجزی وانکساری کا عظیم الشان مظاہرہ ہے اور یہ انداز واسلوب موقع محل کے عین مطابق ہے۔

⑤ عقیدہ الولاء والبراء کا مقصد

ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ طرز عمل کا عملی نمونہ اور اس سلسلے میں انکی پیروی کو بیان کرنے کے بعد جو آیت لائی گئی ہے اس میں اس طرز عمل کی یعنی کفار سے اظہار براءت وبغض وعداوت کی پیروی کی مزید تاکید کی گئی ہے تاکہ مسلمان ابراہیم علیہ السلام کا اس سلسلے میں طرز عمل اور اس طرز عمل کی اقتداء وپیروی کے پیچھے کارفرما متوقع عظیم مقاصد کو جان سکیں چنانچہ فرمایا ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ (ممتحنة:6) ''البتہ تمہارے لئے ان میں بہترین نمونہ ہے ان کے لئے جو اللہ اور روز آخرت سے ملاقات کی توقع رکھتے ہیں اور جو اعراض کرے گا تو اللہ یقیناً بے پرواہ اور تعریف کیا گیا ہے''۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ پہلی بات ہی کی مزید تاکید اور اس سے استثناء ہے کیونکہ یہ اسوۃ (نمونہ) جو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے بعینہ پہلے والا ہے''۔(تفسیر ابن کثیر 113/8)

میں کہتا ہوں: پہلی آیت میں اس اسوۃ حسنہ کی پیروی کو عام رکھا گیا تھا جبکہ اس آیت میں اسوۃ حسنہ کی پیروی کو ضروری قرار دیا گیا ہے چنانچہ تاکید کے دو صیغے لام تاکید اور قد سے پہلے لایا گیا اس کے فوراًبعد اس پیروی کا بیان ہوا یہ اشارہ ہے کہ پیروی کا حکم اختیاری نہیں بلکہ ہر اس شخص کے لئے یہ پیروی لازم ہے جو آخرت میں اللہ تعالیٰ سے درست حالت میں ملاقات کا یقین رکھتا ہے اس کے ساتھ ساتھ

آیت یہ تنبیہ بھی کر رہی ہے کہ پیروی نہ کرنے کی صورت میں سراسر نقصان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے دھمکی آمیز انداز سے محسوس ہوتا ہے فرمایا﴿وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ ''اور جو اعراض کرے گا تو اللہ یقیناً بے پرواہ اور تعریف کیا گیا ہے''۔ یہاں اعراض سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکامات کی عام خلاف ورزی کرنا ہے نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے کفار کے ساتھ دوستی کرنا مراد ہو(تفسیر اضواء البیان:322/5)۔ اور اس آیت کے سیاق اور اللہ تعالیٰ کے نام غنی اور حمید میں مطابقت واضح ہے اس طرح کہ کفار سے دشمنی اور مومنوں سے دوستی کا حکم اللہ کی ضرورت نہیں اللہ اپنے بندوں کا محتاج نہیں بلکہ وہ تو غنی (بے پرواہ) ہے اسے کسی کی نافرمانی نقصان نہیں پہنچاتی جس طرح کسی کی اطاعت اسے فائدہ نہیں دیتی کیونکہ وہ تو ہے ہی حمید (تعریف کیا گیا) اسے کسی دوسرے کی تعریف کی ضرورت نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں دھمکی آمیز انداز واضح ہے بلکہ قرآن میں اللہ کے حکم سے اعراض اور اس کی ہدایت سے روگردانی کرنے والے شخص کے لئے دھمکی والا انداز اپنایا گیا ہے چنانچہ آخرت میں انسان کی کامیابی اور نجات کی صورت یہی ایک ہے کہ وہ اللہ عزوجل سے دوستی کرے اور مومنوں کے گروہ میں شامل ہو جائے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی کر لے اور ان سے تمام تعلقات منقطع کر لے خواہ ان کے تعلقات کی بحالی میں کس قدر دنیاوی فوائد ہوں۔

⑤ کچھ دوستی اور کچھ دشمنی:

جو ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں غور و فکر کرے اور ساتھ ہی آیت کریمہ میں پیروی کے تاکیدی حکم اور پھر اس پیروی میں سے ایک استثنائی صورت پر بھی غور و فکر کرے وہ ایک بہترین نکتے سے آگاہ ہو جائے گا اس سے مراد وہ دو امور ہیں جو ابراہیم علیہ السلام میں جمع ہو گئے:

(۱): جس کی وحی نے تائید کی یعنی ان کا کفار سے دشمنی اختیار کرنا۔

(۲): جس کا وحی نے انکار کیا اور اسے اتباع و پیروی سے مستثنیٰ قرار دیا یعنی ان کا اپنے والد کے لئے استغفار کا وعدہ۔

اصل نکتہ جو سمجھانا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے طرزِ عمل کا ایک ایسے فعل سے خلط ملط ہو جانا جس کی وحی نے تردید کی ان کے دوسرے فعل کے قابل تعریف وواجب الاتباع ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے گویا یہ اشارہ ہے کہ کبھی کسی فرد میں قابل تعریف اور قابل مذمت دونوں امور کا جمع ہو جانا شرعاً ناممکن نہیں ہے چنانچہ ایسے کسی فرد سے دوستی کرنے میں قابل مذمت پہلو رکاوٹ نہیں بننا چاہیئے کیونکہ قابل تعریف پہلو بھی موجود ہے البتہ دوستی کرنے میں قابل تعریف پہلو کا اعتبار کرنا چاہیئے اور فرد سے میری مراد اسلامی مزاج کا حامل شخص ہے۔ یہاں سے دوستی اور دشمنی کے مسائل کا ایک اہم ضابطہ بھی معلوم ہوا وہ یہ کہ ''مسلمان افراد کی نسبت ایمانی دوستی اور محبت کا بعض اجزاء میں تقسیم ہونا'' اس طرح کہ جب کسی فرد کے لئے ایمان مجمل کا عقیدہ ثابت ہو جائے تو اس کے لئے تمام حقوق بھی ثابت ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک اس سے اسکے ایمان کی اس کمتر حد کے سبب اللہ کے لئے محبت کرنے کا فرض ہونا بھی ہے اور یہ ادنیٰ ایمانی قدر ہر اس شخص میں مشترک ہے جو ایمان مجمل کا عقیدہ رکھتا ہو اور اس ایمان مجمل کی علامات وہ ظاہری علامات ہیں جن کے ذریعے بندہ اللہ کے ذمے میں داخل ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارا قبلہ اپنائے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے سو تم اللہ کے ذمہ کو توڑو مت''۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الصلاۃ)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (نساء:94) ''اور جو تمہاری طرف سلامتی بھیجے اسے تم مت کہو کہ تو مومن نہیں ہے تم دنیاوی زندگی کا ساز و سامان چاہتے ہو''۔ اس ایمان مجمل کے عقیدے سے جو امور ثابت ہوتے ہیں اس میں ایمانی بھائی چارے کی بنیاد پر قائم دوستی بھی ہے جبکہ اس کے لئے مکلّف کے ان اقوال و افعال سے چشم پوشی کی جائے گی جو کفریہ نہ ہوں فقط نافرمانیاں ہوں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نافرمانیوں کے باوجود ایمانی بھائی چارہ قائم رہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کے حکم میں فرمایا ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (بقرہ:178) ''پھر جسے اس کے بھائی

کی جانب سے کچھ معافی مل جائے تو اچھے طریقہ پر چلنا ہے'' (عقیدہ واسطیۃ)۔ نیز شیخ علامہ صالح العثیمین رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''یعنی ایمانی بھائی چارہ مومنوں کے مابین قائم رہتا ہے اگرچہ اس کے ساتھ نافرمانی بھی ہو لہٰذا زانی پاکدامن کا بھائی ہے اور چور بھائی ہے جس کی اس نے چوری کی اور قاتل مقتول کا بھائی ہے''۔ (شرح عقیدہ واسطیۃ)

میں کہتا ہوں: اس کے بعد اس محبت اور دوستی میں شریعت کے مطابق ظاہری اعمال کے حساب سے کمی یا زیادتی واقع ہوتی ہے اور بسا اوقات اس سے اللہ کی خاطر دوستی کے ساتھ اسی کی خاطر نفرت بھی جمع ہو جاتی ہے جبکہ اس سے شریعت کے خلاف اعمال ظاہر ہوں لہٰذا ایک ہی فرد میں اس سے اللہ کی خاطر دوستی اور محبت اور اسی کی خاطر نفرت اور دشمنی جمع ہو جاتی ہیں اس کی اطاعت کی بنیاد پر اس سے دوستی اور محبت کی جاتی ہے اور اس کی نافرمانی کی بنیاد پر اس سے نفرت اور دشمنی کی جاتی ہے جس طرح ایک ہی فرد میں نیکی اور برائی اور سنت اور بدعت اور ایمان اور نفاق کا یکجا ہونا ممکن ہے (واضح رہے کہ برائی، بدعت اور نفاق سے میری مراد ایسے امور ہیں جو دین سے خارج نہیں کرتے) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث پر غور کیجئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار باتیں جس شخص میں ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک صفت ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے حتی کہ وہ اسے بھی چھوڑ دے (۱): جب اسے امانت دی جائے خیانت کرے۔ (۲): جب گفتگو کرے جھوٹ بولے۔ (۳): جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے۔ (۴): جب جھگڑا کرے گالی بکے''۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہیں ایک شخص نے گالی دی تو انہوں نے اسے اس کی ماں کی عار دلائی یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اے ابوذر کیا تو اسے اس کی ماں سے عار دلاتا ہے بے شک تجھ میں جاہلیت ہے'' (بخاری کتاب الایمان)۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے ''نافرمانیاں امر جاہلیت میں سے ہیں اور سوائے شرک کے ان کے مرتکب کی تکفیر نہیں کی جائے گی (ایضاً)۔ جاہلیت کی طرف منسوب یہ اعمال ان افراد سے صادر ہوئے جن کی عدالت و ایمان پر ہمیں قطعی یقین ہے یعنی ابوذر رضی اللہ عنہ اس کے باوجود ان میں نافرمانی اور اطاعت دونوں جمع ہو گئیں جیسا

کہ سابقہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عملی نفاق نہ کہ اعتقادی نفاق ایمان کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے اس اور بہت سی مثالیں ہیں ہمارا مقصد فقط تنبیہ ہے نہ کہ تفصیل۔اس وضاحت کے بعد ہمارے لئے ممکن ہے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم کے ساتھ گفتگو کے واقعے کی روشنی میں ''کچھ دوستی اور کچھ دشمنی'' کو معیوب قرار دے سکیں البتہ ابراہیم علیہ السلام کو چونکہ خود اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دے دیا اور ان کا مؤاخذہ نہ کیا بلکہ ان کا عذر قبول کیا اس لئے ان پر کچھ نکیر نہیں اور ہمارے پاس اپنے جدامجد ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دوستی اور محبت کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے جیسا کہ دونوں آیات میں ابراہیم علیہ السلام کی اتباع اور پیروی کو واجب اور مؤکد قرار دیا گیا ہے اور شبے والے مقام کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ہماری اس تمام گفتگو کا مقصد یہ تھا کہ ہم اس مسئلے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرسکیں کیونکہ اس دور میں ہمیں اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ اس طرح کی صورتحال کا اکثر سامنا رہتا ہے اور معصوم عن الخطاء تو صرف انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی ذوات ہیں اور اب وحی بھی منقطع ہوچکی ہے کہ وہ ہی کسی کی باطنی کیفیت کو بیان کردے البتہ اب صرف ظاہر پر ہی حکم لگایا جاسکتا ہے۔

بحث سوم: مسلمانوں اور کفار کے درمیان دشمنی کی وجہ

اس سورت میں کفار کے ساتھ دشمنی کی وجہ کو اچھی طرح اجاگر کیا گیا ہے سورت کی ابتداء میں بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں سے اصل دشمنی کی بنیاد ان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی ہے جیسا کہ ہم وضاحت کرچکے ہیں یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ رشتہ داریاں اور دیگر مفادات نہ تو ایسا نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی ایسی مصیبت ٹال سکتے ہیں کہ اس کی بنیاد پر مسلمان کفار سے دشمنی اور اظہار براءت نہ کریں اور جبکہ اس تمام معاملے کی بنیاد دشمنی اور بائیکاٹ پر ہے تو اس سورت میں اس دشمنی کی اصل وجہ کو انتہائی عمدہ انداز میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾(ممتحنة:7) ''ممکن ہے کہ اللہ تمہارے اور جس سے تم نے دشمنی کی ہے ان کے درمیان محبت پیدا کردے اور اللہ قدرت رکھتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان

ہے''۔اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ معاملہ صرف کافر سے دشمنی رکھنے میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس دینی دشمنی کی وجہ کا پایا جانا یا نہ پایا جانا بھی ضروری ہے سو جہاں کفر سے دینی دشمنی پائی جائے گی وہاں براءت ثابت ہو جائے گی اور دوستی و محبت کی نفی ہو جائے گی اور جہاں دین حق کی اطاعت کرتے ہوئے دینی دشمنی نہیں پائے جائے گی وہاں براءت کی نفی ہو گی اور دوستی و محبت ثابت ہو جائے گی۔ یہ سورت دوستی اور دشمنی کے اسی منہج کو انتہائی عمدہ اسلوب میں بیان کر رہی ہے اس طرح کہ پہلے یکے بعد دیگرے مسلسل چھ آیات میں مسلمانوں کے جذبات و احساسات کو اللہ اور خود ان کے دشمنوں کے خلاف ابھارا گیا ہے اور کفار سے دوستی و محبت کے تمام ذرائع میں ہر ذریعے کا سد باب کیا گیا ہے اس کے بعد ایک دوسرا رخ اختیار کیا گیا اور مسلمانوں کو امید واثق دلائی گئی کہ یہ دشمنی دوستی سے بدل سکتی ہے۔ امید واثق اس لئے کہ لفظ ''عسی'' کی نسبت جب اللہ کی طرف کی جائے تو یہ ایجاب اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔(اضواء البیان 322/5)

یہاں ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دشمنی کو دوستی سے کس طرح بدلا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْم﴾ (ممتحنۃ:7) ''اور اللہ قدرت رکھتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔ وہ جسے چاہے اسلام کی توفیق دے کہ اس کے سابقہ گناہوں کفر و شرک وغیرہ کو معاف کر دے یعنی یہ محبت دوستی کفار کے ہدایت قبول کر لینے کی صورت میں متوقع ہے اور ہدایت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔(اضواء البیان 322/5)

ان وضاحتوں کے بعد جب یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس دشمنی اور نفرت کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ اللہ کا دین ہے تو اب کتنی ہی دنیاوی دشمنیاں اور نفرتیں ہوں اسلام قبول کرنے کے سبب سب کی سب ختم ہو جائیں گی اور اس کا عملی مظاہرہ فتح مکہ کے موقع پر سامنے آیا وہ ہند بنت عتبہ جس نے عم رسول سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا ان کا کلیجہ چبانا چاہا اور بہت سے جرائم کئے فتح کے موقع پر مسلمان ہو کر بیعت کے لئے آتی ہے تو اس کلمہ توحید کے مدمقابل تمام دشمنیاں ہیچ ہو جاتی ہیں اور ایمانی محبت و دوستی ان تمام دنیاوی مفادات سے جیت جاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس طرز عمل کو اختیار کرنے کے

اولین مستحق تھے تا کہ اپنی امت کو تعلیم دے سکیں کہ اللہ کے حق کے مقابلے میں دنیاوی اغراض ومفادات اور دشمنیوں اور نفرتوں کی کچھ حیثیت نہیں ہے اور دوستی اور دشمنی اور محبت ونفرت کی بنیاد کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ ہے لہٰذا جب معاملے کی یہ حقیقت اجاگر ہوگئی تو اس آیت میں اس باب کی بھی وضاحت کردی گئی کہ ہدایت کا اختیار صرف اللہ کو ہے چنانچہ فرمایا﴿ وَاللّٰهُ قَـدِيْـرٌ ﴾ ''اور اللہ قدرت رکھتا ہے''۔ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یعنی جس کے لئے چاہے ان باہم مختلف ومتضاد امور کو جمع کردے اور دلوں کی دشمنیوں اور نفرتوں کے بعد ایک دوسرے سے جوڑ دے پھر وہ متفق ومتحد ہوجائیں''۔

میں کہتا ہوں: اس سے زیادہ تعجب انگیز حقیقت کو ملاحظہ کیجئے جب کلمہ توحید کی بنیاد پر دوستی اور محبت کا رشتہ دلوں میں مضبوط ہوجاتا ہے تو اسلام کیسے کیسے عجیب منظر دکھاتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے اللہ کے نبی ہمیں تین چیزیں دے دیجئے آپ نے فرمایا: ہاں ،کہنے لگے میرے پاس عرب کی خوبصورت اور حسین ترین عورت ام حبیبہ بنت ابی سفیان (یعنی میری بیٹی) ہے میں اسے آپ کے نکاح میں دیتا ہوں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے کہنے لگے معاویہ (یعنی میرے بیٹے) کو آپ اپنا کاتب بنالیں فرمایا ٹھیک ہے کہنے لگے آپ حکم دیں میں کفار کے خلاف اسی لڑوں جس طرح مسلمانوں کے خلاف لڑتا رہا آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة حدیث نمبر1)

یہاں ایک بہترین نکتہ سامنے آیا وہ یہ کہ معاملے کو اس طور پر رکھنا ہی (یعنی دوستی ودشمنی کی بنیاد اللہ کا دین ہو نہ کہ دنیاوی اغراض ومفادات)اس بات کی ضمانت ہے اسلام کا پیغام پھیلے گا اور انسانیت ہدایت کو اختیار کرلے گی اگرچہ وہ اس سے قبل ایک دوسرے کے دشمن رہے ہوں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اسلام قبول کرنے والے پہلے گروہ کو اس بات کی خوشخبری دے دے کہ ان کے بھائی ،باپ،مائیں،بیٹے بالآخر اسلام قبول کرلیں گے اور یہ دشمنی دوستی میں بدل جائے گی (حالانکہ یہ وہی لوگ ہیں جو شروع اسلام میں اسلام کو پوری قوت وشدت کے ساتھ مٹانے کے درپے تھے کہ اس

نوآموز پودے کو تناور درخت بننے سے پہلے ہی اکھاڑ پھینکا جائے) تو مسلمانوں کو ان کے اسلام لے آنے کی امید و آس کبھی نہ ٹوٹے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہمیشہ تک قدیر (قدرت والا) ہے غفور رحیم ہے (بخشنے والا مہربان) ہے چنانچہ ہمیں بھی ہر لمحہ یہ طمع اور امید رکھنی چاہیے کہ ہماری مخلصانہ دعوت اور ذاتی و دنیاوی اغراض و مفادات کے بغیر بے لوث کوشش و محنت و دعوت سے کبھی تو یہ اسلام قبول کرلیں گے اگرچہ اسی دوران ہم دینی دشمنی و بائیکاٹ کے مرحلے میں رہیں لیکن دعوتی مہمات میں حسن سلوک اور اخلاق و اخلاص کا دامن نہ چھوڑیں اسی میں اسلام کی شوکت ہے۔

بحث چہارم: کفار کے ساتھ معاملات طے کرنے کے اصول

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت وہ منفرد جماعت ہے جو بات کو اس لئے سنتی کہ اس کی اطاعت کرے انہیں حکم اس لئے دیا جاتا تا کہ وہ اس پر عمل کریں اور روکا اس لئے کہ وہ رک جائیں اور وہ نازل ہونے والے احکام و آیات کو وسیع اور جامع ترین عملی اور حقیقی شکل دینے میں بالکل تردد نہیں کرتے تھے ہم اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کا قصہ پیش کر چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے ایام میں ان کی ماں ان سے ملنے آتی ہے اور انہیں کچھ تحائف دینا چاہتی ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لئے بغیر انہیں قبول کرنے سے انکار کردیتی ہیں حق جل شانہ کی قسم یہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور شرک اور اہل شرک سے بائیکاٹ کی آخری حد ہے کہ دنیاوی تعلقات خواہ کتنے ہی مضبوط ہوں وہ دین کی بنیاد پر ان کو ملاتے اور توڑتے تھے اللہ کا یہ فرمان بھی اسی ضمن میں نازل ہوا فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ، اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (ممتحنة:8-9) ''اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے متعلق لڑتے نہیں اور نہ ہی انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیکی کرو اور ان کے ساتھ انصاف سے پیش نہ آؤ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے درحقیقت اللہ تمہیں ان لوگوں سے روکتا ہے جو تم سے دین میں لڑے اور انہوں نے

تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہیں بے گھر کرنے پر تعاون کیا کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو انہیں دوست بنائے گا تو یہی لوگ ظالم ہیں''۔ یہ آیات کفار کے ساتھ معاملات نمٹانے اور طے کرنے کے سلسلے میں ایک عملی قانونی ضابطہ ہیں لہٰذا ان آیات کے معانی ومفاہیم سے واقف ہونا ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:

① صلح پسند (امن پسند غیر حربی) کفار کے ساتھ معاملہ

اسباب نزول کی بحث میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ قتیلہ (اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ) جب اپنی بیٹی کے پاس آئیں تو مشرکہ تھیں اور انہوں نے تحائف دے کر اپنی بیٹی کی محبت حاصل کرنی چاہی لیکن اسماء رضی اللہ عنہا معاملے کو نبی علیہ السلام کی خدمت میں لے گئیں اس طرزِ عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار سے براءت سے مکمل بائیکاٹ مراد لیتے تھے پھر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو مسلمانوں کے لئے صلح پسند کفار کے ساتھ روزمرہ کی زندگی میں معاملہ کرنے میں ایک حد تک گنجائش نکل آئی اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس کی اجازت بھی اس لئے دی گئی تاکہ اس طبقے کو اسلام کی دعوت دی جاسکے کیونکہ ان کے اسلام قبول کی توقع تھی اس لئے کہ دینی دشمنی کی بناء پر قطع تعلقی کے باوجود انہوں نے مسلمانوں سے جنگ نہیں کی نیز ان آیات میں کفار کی اس صلح پسندی کی کیفیت بھی بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ انہوں نے مسلمانوں سے قتال نہ کیا ہو نہ ہی انہیں ان کے گھروں سے نکالا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اصل قاعدے سے استثناء کرتے ہوئے ان لوگوں کے ساتھ محدود تعلقات قائم کرنے کی اجازت دے دی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان سے عورتیں اور کمزور کفار مراد لیتے ہیں (تفسیر ابن کثیر:115/8)۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ اجازت ان کفار کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے بارے میں ہے جنہوں نے مسلمانوں پر زیادتیاں نہ کیں ہوں نہ ہی ان سے قتال کیا ہو (تفسیر قرطبی:53/18)۔ نیز امام قرطبی رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ راجح قول کے مطابق یہ آیت محکم (غیر منسوخ) ہے اور آیت سیف سے منسوخ نہیں ہے اور یہی قول راجح اور اکثر مفسرین بھی یہی کہتے ہیں جیسا کہ امام قرطبی نے نقل کیا ہے نیز شیخ عطیہ سالم نے تفسیر اضواء البیان کے تتمے میں اس قول کی تائید کی ہے (اضواء

البیان 5/323-325)۔حقیقت بھی یہی ہے کہ جو اس آیت کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں اس لئے کہ یہ آیات دیگر آیات کے مخالف نہیں ہیں کیونکہ حقیقت کی دنیا میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں اور شرعی ضابطے عدل وانصاف کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں اس کے باوجود بھی اگر کوئی ان سے دینی دشمنی رکھے اور مسلمانوں کی بزور تلوار کامیابی کے حد تک تجاوز نہ کرے تو یہ ایسے مسلمان کی جانب سے ان کفار سے دلی بغض اور دینی دشمنی ہی کی ایک صورت سمجھی جائے گی جب کہ وہ ان پر تلوار نہ چلائے سو ان سے دلی بغض اور دینی دشمنی رکھنا حق کی مدد ہے اور ان پر تلوار اور ہاتھ نہ اٹھانا ان کے ساتھ برابر کا معاملہ ہے کیونکہ انہوں نے بھی مسلمانوں پر نہ تو تلوار اٹھائی نہ ہی ہاتھ اٹھایا یہی انصاف کا تقاضا ہے باقی رہا یہ مسئلہ کہ شرعی ضابطے کفار کے ساتھ بائیکاٹ کو واجب قرار دیتے ہیں تو جس حد تک شریعت نے استثناء کیا ہے اسی حد میں رہنا چاہیئے اور وسعت اختیار نہیں کرنی چاہیئے اسماء رضی اللہ عنہا کا اپنی والدہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس میں غور وفکر کرنے سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے علاوہ ازیں وہ قصہ ان آیات کا سبب نزول بھی ہے اور اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اس نوعیت کے تعلقات مسلمانوں کے قریب ترین کا فر رشتہ داروں تک محدود رکھے جائیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے ﴿وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾(لقمان:15) ''اور اگر وہ دونوں (ماں باپ) تجھے اس بات پر آمادہ کریں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کر اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آ''۔ یہ آیت والدین (جو کہ قریب ترین رشتہ دار ہوتے ہیں) کے متعلق ہے۔ نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے اسماء رضی اللہ عنہا کی گذشتہ حدیث پر جو باب باندھا ہے وہ بھی قابل غور ہے۔ باب یہ ہے ''**باب صلة الوالد المشرک**'' یعنی مشرک باپ کے ساتھ تعلق کا بیان''۔ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کمال فقاہت اور تحقیق ہی ہے کہ انہوں نے کفر اور اہل کفر سے براءت ودشمنی سے متعلق اصل قاعدے سے استثنائی صورت میں سے صرف والد پر اکتفاء کیا اور اس استثناء کی حکمت ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ان سے اس قدر قرابت اور قریبی ناطے ان کے دل

میں نرم گوشہ پیدا کرسکتی ہے خاص طور پر جبکہ ان کی طبیعت وفطرت میں بھی ہدایت کو تلاش کرنے اور قبول کر لینے کی صلاحیت ہو اس بحث کا جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ تقویٰ اور ورع یہ ہے اس رخصت کو انتہائی قریبی رشتہ داروں خاص طور پر والدین کے ساتھ محدود رکھا جائے تاکہ کفار کے ساتھ تعلقات کی وسعت کا سدباب ہو سکے اور اس نص پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر نصوص اور اصول کا اجراء بھی ہو سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

② جنگجو (حربی قابض) کفار کے ساتھ معاملہ

اس قسم کے کفار کے ساتھ کسی بھی حال میں تعلقات استوار کرنا ناجائز ہے اور انہی آیات (سورۃ الممتحنہ آیات نمبر 8،9 وماقبل کی دیگر آیات) میں ان کے ساتھ تعلقات بحال کرنے سے منع کیا گیا ہے اس آیت میں اسی نہی کی تاکید ہے اور اس کے ساتھ اس دشمنی اور جنگ کی وجوہات بھی ہیں اور یہ تین ہیں:

(۱): **مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا:** یہ وجہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بیان کی گئی ہے ﴿الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ (ممتحنۃ:9) ''جو تم سے دین میں لڑے'' واضح رہے کہ ''فی الدین۔ دین میں'' یہ قید اضافی ہے عموم کے اعتبار سے ہے لہٰذا اس کا کوئی معنی ومفہوم نہیں کیونکہ کفار کا مسلمانوں کے ساتھ محض جنگ کرنا ہی ایسا جرم ہے جس کی بنیاد پر ان سے دوستی حرام ہے۔

(۲): **مسلمانوں کو بے گھر کرنا:** یہ وجہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بیان کی گئی ہے ﴿وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ﴾ (ممتحنۃ:9) ''اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا''۔ ابتدائی طور پر اس سے مکہ کے سرکش لوگ مراد ہیں ان کے بعد ہر وہ جماعت جو مسلمانوں کو بے گھر اور شہر بدر کرے اور اس بات کو وجہ قرار دینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کا مسلمانوں کو ان کے گھروں اور شہروں سے نکال دینا کفر کے غالب ہو جانے کا ایک سبب ہے جبکہ یہ شرعی مقاصد یعنی اعلائے کلمۃ اللہ (یعنی زمین پر اللہ کا دین غالب کرنا) کے خلاف ہے۔

(۳): **مسلمانوں کو بے گھر کرنے میں تعاون کرنا:** یہ وجہ اللہ کے اس فرمان میں بیان کی گئی ہے

﴿ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِكُمْ ﴾(ممتحنۃ:9) ''اور انہوں نے تمہیں بے گھر کرنے پر تعاون کیا''۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یعنی انہوں نے تمہیں گھر بدر یا شہر بدر کرنے میں مدد کی''۔(تفسیر قرطبی:55/18)

میں کہتا ہوں: یہ چھوٹی بات بیان کر کے بڑی بات سے متنبہ کرنا ہے اس طرح کہ جب کفار کا مسلمانوں کو بے گھر کرنے میں کسی دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا ہی ایسا جرم ہے جس کی بناء پر ان سے تعلقات قائم کرنا حرام ہے تو اگر وہ خود یہ کام کریں اور مسلمانوں کو قتل کریں اور ان کی عزتیں پامال کریں تو پھر ان سے دوستی کرنا بالاولیٰ حرام ہوا کیونکہ جان وعزت کی حرمت زمین وگھر کی حرمت سے بڑھ کر ہے اس نکتے پر خوب غور کریں کیونکہ اس دور میں ہماری ان سے دشمنی کی عام طور پر یہی وجہ ہوتی ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ

مسلمانوں سے مصروف جنگ کفار کے ساتھ تعلقات قائم نہ کرنے کے اسباب واضح ہو جانے کے باوجود ان جرائم کے مرتکب کفار سے دوستی کرنے والا مسلمان بڑا ہی ظالم ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا جرم ہوسکتا ہے کہ ایک فرد اللہ اور اس کے رسول اور اس کی امت کے دشمنوں سے دوستی کرے؟ (تفسیر اضواء البیان:323/5)۔ اور قرآن میں لفظ ظلم مختلف معنوں میں آیا ہے اور ان صفات کے حامل شخص کے لئے لفظ ظلم کفر کے معنوں میں آیا ہے اور زیر بحث مقام کے اعتبار سے یہ بھی ادنیٰ ترین احتمال ہے۔

بحث پنجم: مسلم معاشرے کے افراد میں تمیز اور فرق کرنا

ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورت ممتحنہ کی سابقہ آیات میں جس چیز پر زور دیا گیا ہے وہ مسلمانوں اور کفار ان دو جماعتوں اور ان کے باہمی تعلقات میں فرق اور حد بندیاں ہیں لیکن کیا مسلمان جماعت کے قوی ہونے کے لئے فقط اتنا ہی کافی ہے کہ وہ محض ظاہری اور بیرونی طور پر دیگر جماعتوں سے مختلف ہو یا اس کے افراد میں سے ہر فرد میں ایمانی تعلقات کم ترین درجے کا پایا جانا بھی ضروری ہے؟ اس سلسلے میں اس سورت میں ہمارے لئے مسلم معاشرے کے افراد میں فرق کرنے کے لئے دو نمونے پیش کئے گئے ہیں

جو کہ درج ذیل ہیں:

① مکلّف بنانے کے لئے امتحان اور جانچ ضروری ہے:

اس سورت میں یہ قاعدہ آیت امتحان کے ضمن میں پیش کیا گیا ہے نبی ﷺ اور پھر دارالاسلام کی طرف ہجرت کی تصدیق کے لئے کسی ایسے پہلو کا پایا جانا ضروری ہے جو ہجرت کرنے والے کی نیت کو اجاگر کردے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں یہ ضابطہ واضح ہے۔ فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ وَ اسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَ لْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (ممتحنة:10) ''اے ایمان والو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو انہیں آزماؤ پھر اگر تم انہیں مومن کی حیثیت سے پہچان لو تو انہیں کفار کے حوالے نہ کرو وہ (عورتیں) ان (کفار) کے لئے حلال نہیں ہیں نہ ہی وہ (کفار) ان (عورتوں) کے لئے حلال ہیں اور جو کچھ انہوں نے خرچ کر رکھا ہو تم وہ انہیں ادا کردو اور تم پر ان سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ تم انہیں ان کے مہر ادا کردو اور کافروں کی عصمتوں کو مت روکے رکھو اور تم نے جو کچھ خرچ کیا ہو تم اس کا مطالبہ کرو اور انہوں نے جو کچھ خرچ کر رکھا ہو وہ اس کا مطالبہ کریں یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرما رہا ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے''۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب مسلمانوں کو کفار کے ساتھ بائیکاٹ کا حکم دیا گیا تو اس کا تقاضا ہوا کہ مسلمان دارالشرک سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کر جائیں نیز نکاح لینا دینا باہمی تعلقات کے مضبوط ترین ذرائع میں سے ایک ہے اس لئے عورتوں کی ہجرت کے احکام بیان کئے گئے'' (تفسیر قرطبی:55/18)۔ درحقیقت اس آیت دوستی اور دشمنی سے متعلقہ بہت سے اہم مسائل بیان کئے گئے ہیں جنہیں واضح کرنا ہم پر لازم ہے۔ میں نکاح سے متعلق فقہی تفصیلات میں نہیں جاؤں گا یہ ابحاث اپنے مقام پر درج ہیں۔ اسباب نزول کی بحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ آیت اللہ نے نازل کی اور اس میں نبی ﷺ کو حکم دیا کہ وہ مومن مہاجر خواتین کا امتحان لیں اور ان کا امتحان آیت بیعت کے ذریعے لیا گیا جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے یہ قول دیگر اقوال کے مخالف نہیں ہے اس آیت میں غور

کرنے پر ایک عجیب سوال ابھرتا ہے وہ یہ کہ: یہ امتحان عورتوں کے ساتھ خاص ہے مردوں کے لئے نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ حافظ ابن حجر، امام طبری اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ عن عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ: ''جب کوئی مشرک عورت اپنے خاوند پر ناراض ہوتی تو کہتی اللہ کی قسم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ضرور ہجرت کر جاؤں گی لہٰذا یہ آیت ﴿فَامْتَحِنُوهُنَّ﴾ ''پس تم انہیں آزماؤ'' نازل ہوئی (فتح الباری:629/9)۔ جب مرد ہجرت کرتے تو انہیں اس سلسلے میں بہت سی ذمہ داریاں ادا کرنی پڑتیں مثلاً جہاد کرنا اور دین کی مدد کرنا اور یہ اعمال ہی مردوں کے امتحان کا ذریعہ ثابت ہوتے لیکن عورتوں پر ایسی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی لہٰذا کسی اور ایسے ذریعے سے انہیں آزمانا ضروری ہوا جو مردوں کی آزمائش کے مساوی اور برابر ہو (ملاحظہ ہو اضواء لبیان:327/5)۔ درج ذیل حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں نے کہا یا رسول اللہ عورتوں پر جہاد ہے فرمایا ہاں ان پر ایسا جہاد ہے جس میں لڑائی نہیں حج اور عمرہ'' (سنن ابن ماجة كتاب المناسك حدیث نمبر 2892)۔ استدلال یہ ہے کہ شریعت میں عورتوں پر مخصوص ذمہ داریاں ہیں جو ایسی ذمہ داریوں کے برابر ہیں جو مردوں کے ذمہ ہیں لیکن عورتوں کو زیب نہیں دیتیں لہٰذا یہاں اس آیت کے ذریعے امتحان یا تو عورتوں سے قسم اٹھوا کر لیا جاتا یا ان سے بیعت لی جاتی جیسا کہ سبب نزول کی بحث میں تفصیلاً گزر چکا اور امتحان کا یہ طریقہ ظاہر سے تعلق رکھتا ہے اسی کے ذریعے ایمان مجمل کا عقیدہ ان مہاجر خواتین کے لئے ثابت ہو جاتا اور پھر وہ ہر اس حق کی مستحق بن جاتی جس کی دیگر مسلم خواتین مستحق ہوتیں یعنی دوستی، محبت، مدد، بھائی چارہ وغیرہ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کسی شخص میں ایمان و اسلام کی ظاہری علامات پائی جائیں اس سے عام ایمانی تعلق اور دوستی اور محبت قائم کرنا اور محض اس کے مسلمان ہونے کی بناء پر اس کی ایمانی مدد کرنا واجب ہے۔ لہٰذا جب کسی مہاجر خاتون کے امتحان کے بعد اسے مومن قرار دیئے جانے کے سبب ہی اس کے کافر خاوند سے اس کا نکاح فسخ ہو جاتا تو عدل و انصاف اور قانون کا تقاضا ہوا کہ مسلم معاشرے میں پاکیزہ نکاحوں کا سلسلہ ہو اور انہیں کفریہ تعلقات سے پاک رکھا جائے تا کہ کفر اور اہل کفر سے براءت کے تقاضے پورے ہوں اسی لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی کافر بیویوں کو روکے

نہ رکھیں جیسا کہ مفسرین بیان کرتے ہیں ۔ یہاں ایک اور لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ اگر کسی مہاجر خاتون کا امتحان نہ لیا جاتا تو مسلمانوں کو اس کی خبر ہی نہ ہوتی اور اس عورت کے لئے خود سے نکاح کا مطالبہ کرنا مشکل ہوتا اس لئے کہ ایسا کرنے کی صورت میں اس کی ہجرت کی نیت میں شک کیا جا سکتا تھا کہ شاید اس نے مرد بدلنے یا شادی یا دنیا کی خاطر ہجرت کی ہو جبکہ اس نے دارالکفر سے دارالسلام کی طرف محض اللہ کی رضا کی خاطر ہجرت کی ہوتی لہٰذا خود سے شادی کا مطالبہ کرنے میں اس کی ہجرت اور عزت نفس پر حرف آتا تھا لیکن جب انہیں آزمانے کا حکم نازل ہوا تو اس سے مسلمانوں کو معلوم ہو جاتا کہ یہ خاتون نئی مسلمان ہیں اور ہجرت کر کے آئیں ہیں اور اب انہیں کسی ایسے سہارے کی ضرورت ہے جو ان کی عزت کی حفاظت کرے اور ان کی ذمہ داری لے اور ان سے شادی کرلے۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بہت واضح ہے فرمایا ﴿وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾(ممتحنة:10) ''اور تم پر ان سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ تم انہیں ان کے مہر ادا کردو''۔ مہر کی ادائیگی سے اشارہ ہے کہ ان کی حق تلفی نہ کی جائے اور انہیں مکمل مہر دیا جائے نہ کہ ناقص مہر۔ اور پھر جب ایمانی محبت کے تقاضوں کی تکمیل کی خاطر اس طرح کی خواتین کا نکاح کرنے کے لئے یہ لطیف حیلہ اختیار کیا گیا تو یہ بھی نہایت ضروری قرار دیا گیا کہ کافر بیویوں کو چھوڑ دیا جائے تا کہ کفر اور اہل کفر سے مکمل طور پر اظہار براءت ہو جائے اور ان کافر بیویوں میں مشغول مسلمانوں کی حاجتیں اور ذمہ داریاں ان نئی (مسلمان) بیویوں کے ذریعے پوری ہو جائیں۔ بلاشبہ یہ مسلم معاشرے کو کافر سے پاک کر کے مومن سے آباد کرنے کی انتہائی عظیم کوشش ہے خاص طور پر مسلمانوں کے گھروں اور خاندانوں کو پاک کرنے کی کیونکہ یہی آگے چل کر مسلمانوں اور مومنوں کی افزائش کا ذریعہ بنیں گے۔ اسکے بعد نکاح سے متعلق مادی معاملات کی طرف توجہ دی گئی جو پرانے نکاح کو فسخ کرنے اور ان کی جگہ نئے نکاح کرنے کی صورت میں لازم آئے تھے ایسا اس لئے کیا گیا تا کہ یہ مادی امور مسلم معاشرے اور افراد کے تزکیے وتطہیر کے اس ریلے کے آگے بند نہ باندھ سکیں اور ان مادی امور کو نمٹانے کے لئے جو جل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں پیش کیا گیا ہے وہ بہترین اور ناگزیر ہے ﴿وَاسْئَلُوْا مَآ

اَنۡفَقۡتُمۡ وَ لۡيَسۡـَٔلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقُوۡا ذٰلِكُمۡ حُكۡمُ اللّٰهِ يَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡم، وَاِنۡ فَاتَكُمۡ شَىۡءٌ مِّنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ اِلَى الۡكُفَّارِ فَعَاقَبۡتُمۡ فَاٰتُوا الَّذِيۡنَ ذَهَبَتۡ اَزۡوَاجُهُمۡ مِّثۡلَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡۤ اَنۡتُمۡ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ﴾(ممتحنة:10-11) ''اورتم نے جو کچھ خرچ کیا ہوتم اس کا مطالبہ کرواورانہوں نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ اس کا مطالبہ کریں یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرمارہا ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی تم سے چھوٹ جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تمہیں اس کا بدلہ لینے کا موقع مل جائے تو جن کی بیویاں چلی گئیں تم انہیں اس قدر دے دو جو انہوں نے خرچ کیا اور جس اللہ پر تم ایمان لائے ہو اس سے ڈرتے رہو''۔نکاح فسخ نہ کرنے کے خواہشمند کے لئے اس آیت میں کوئی عذر یا کوئی اور حجت (مثلاً نکاح فسخ کیا تو مال ڈوب جائے گا وغیرہ) باقی نہیں چھوڑی گئی بلکہ اسے ختم کر دیا گیا اور جب مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ مہاجر عورتوں کے مہر (جوانہیں ان کے سابقہ (کافر) خاوندوں نے دیے تھے) وہ انہیں واپس کردیں اور (ان مسلمانوں کی وہ مشرک بیویاں جنہیں انہوں نے چھوڑ یا اور وہ مشرکین کے پاس چلی گئیں اور مشرکین نے ان سے نکاح کر لئے ان سے نکاح کے بعد وہ) مشرکین ان مسلمانوں کو ان کے ادا کردہ مہور واپس کردیں گے اس کی کوئی ضمانت اور گارنٹی نہ رہی تو اس آیت نے مسلمانوں کو تسلی دی اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بطور فے جو اموال ادا کئے تھے ان میں سے ان مسلمانوں کو معاوضہ ادا کردیا۔کیونکہ معاملہ بیوی کے مہر یا بیوی کے ہاتھ سے نکل جانے سے بڑھ کر ہے (یعنی اللہ کے لئے دوستی اور اللہ کے لئے دشمنی) اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم اس جانب بڑا واضح اشارہ ہے۔

۲ بیعت

مکہ سے مدینہ ہجرت سے متعلق آزمائش اور امتحان کا یہ سلسلہ نبی ﷺ کے ساتھ خاص تھا جیسا کہ حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں البتہ جہاد اور نیت ہے (صحیح مسلم کتاب الامارۃ حدیث نمبر 1864)۔لیکن افراد کی جانچ اور عملی مظاہر کی تحقیق (جن کے ذریعے دوستی اور

محبت اور نفرت کے مستحق و غیر مستحق میں فرق ہوتا ہے) کی ضرورت اس وقت تک قائم ہے جب تک مسلمانوں کی جماعت موجود ہے یہیں سے اگلی آیت کا تعلق شروع ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَ اَرْجُلِھِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾(ممتحنۃ:12) ''اے نبی جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں وہ آپ کی اس بات پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ ہی کوئی ایسا الزام لگائیں گی جو خود انہوں نے تراشا ہوگا اور نہ ہی کسی معروف کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کی بیعت لے لیجئے اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگئے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔اس آیت میں ایسا ضابطہ بیان کیا گیا ہے جس کی پابندی کرنا ہر مسلمان بلکہ ہر نئے ہجرت کرنے والے پر ضروری ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہجرت مکہ سے مدینہ کی جانب ہو(کیونکہ اب یہ ناممکن ہے) بلکہ ہر وہ شخص مراد ہے جو کفر سے اسلام اور نافرمانی سے اطاعت کی طرف ہجرت کرے کیونکہ یہ ایسی ہجرت ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی جیسا کہ نبی ﷺ کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے۔فرمایا:''مہاجر وہ ہے جو اللہ کے منع کردہ امور کو چھوڑ دے''۔(صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر9)

چنانچہ اب اس سورت میں خاص واقعے کے احکام بیان کئے جانے کے بعد ایک نئے انداز میں عام حالات کے احکام بیان کئے جارہے ہیں نیا انداز اس لئے کہ خاص واقعے کے احکامات بیان کرنا اور ان کا پابند کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے لیکن جن لوگوں کے لئے اس سورت نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق اللہ کی طرف ہجرت کرنے کے متعلق ایک منفرد قرآنی ضابطہ پیش کیا ہے کیا ان کے لئے اب بھی کوئی حجت باقی رہ جاتی ہے؟ بالفاظ دیگر چونکہ دوستی اور دشمنی کا عقیدہ جس کی بنیاد اللہ کا دین ہے اور اسے اختیار کرنے والے افراد کے لئے کچھ ایسی ظاہری علامات ہونی چاہیے ہیں جن کی بناء پر وہ

ایک دوسرے کو اس دینی دوستی اور محبت کے حوالے سے پہچان سکیں اس لئے اب اس بیعت کی دفعات اور شروط کو بیان کیا گیا ہے تا کہ ان ظاہری علامات کو ثابت کیا جا سکے اور ان ظاہری علامات اور اس بیعت کی دفعات و شروط کی عددی زیادتی (یعنی ان کی تعداد کا زیادہ ہونا) کسی کے لئے قابل اعتراض اس لئے نہیں ہوسکتی کہ معاملے کا مدار ایمان مجمل کی کمتر حد پر ہے جس کی بنیاد پر ایمانی دوستی اور محبت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ سورت کے دوسرے مقامات سے واضح ہے اور اس بیعت کی پہلی شرط سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے جو کہ یہ ہے ﴿اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا﴾ (ممتحنة) ''اللہ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں گی''۔ گویا اس بیعت کی دفعات میں اس دفعہ اور شرط کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ ایمان مجمل کی کمتر حد اسی کے ذریعے ثابت ہوسکتی ہے نیز اس بیعت کی دیگر دفعات و شروط کی پابندی اور ان کے اہتمام کے مطابق اس ایمان مجمل میں کمی وبیشی ہوتی رہے گی ایک مسلمان اور مہاجر اس بیعت کی جس قدر شروط کی پابندی کرے گا اسی قدر اس کے ایمان مجمل میں اضافہ ہوگا اور اسی قدر وہ ایمانی دوستی اور محبت کا مستحق بنتا چلا جائے گا اور جس قدر ان شروط کی پابندی میں کوتاہی ہوگی ایمان مجمل میں بھی اسی قدر کوتاہی ہوگی اور وہ ایمانی محبت اور دوستی سے اسی قدر محروم ہوتا چلا جائے گا بشرطیکہ ایمان مجمل کی کمتر حد باقی رہے جیسا کہ ''کچھ دوستی اور کچھ دشمنی'' کے عنوان کے تحت ہم واضح کر آئے ہیں اور اس دور کے اعتبار سے جس میں ہم جی رہے ہیں یہ مسئلہ نہایت ہی اہم ہے کیونکہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تعلقات کی حدود متعین کرنے میں یہ مسئلہ انتہائی معاون اور بنیادی ہے جبکہ صورت حال یہ ہے کہ شاید ہی کوئی مسلمان کمیوں اور کوتاہیوں سے مبرا ہو حالانکہ اس وقت ہمیں اپنے باہمی تعلقات کو ایمانی دوستی اور محبت کی مدد کی بنیاد پر استوار اور مضبوط کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

بحث ششم: کفار سے براءت (دشمنی، نفرت) کا عام قاعدہ

ہم بتا چکے ہیں کہ سورۃ الممتحنہ میں دوستی اور دشمنی کا عقیدہ انتہائی دقت اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور بسا اوقات اس کی آیات کی بعض جزئیات و تفصیلات میں غور وفکر کرنے والا خود کو اس اصل بنیاد سے

بہت دور کھڑا پاتا ہے جسے ثابت کرنے کے لئے یہ سورت نازل کی گئی ہے علاوہ ازیں ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ اس سورت میں شروع سے آخر تک موضوعی یگانت برقرار ہے جو کہ اگلی آیت میں پیش کردہ عام قاعدے میں ایک بہترین شکل میں سامنے آرہی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ﴾(ممتحنة:13) ''اے ایمان والوایسی قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ غضبناک ہوا وہ آخرت سے اس طرح مایوس ہیں جس طرح کفار قبر والوں (قبروں میں مدفون مردوں) سے مایوس ہیں''۔اس آیت میں پھر سے وہی قاعدہ بیان کیا گیا ہے جو جو سورت کے شروع میں بیان کیا گیا تھا بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت عام کفار سے متعلق ہے جبکہ شروع سورت میں کفار قریش مراد تھے۔ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت کے اختتام پر کفار سے دوستی اور محبت سے منع کیا جس طرح اس کے شروع میں بھی منع کیا فرمایا﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾(ممتحنة)''اے ایمان والوایسی قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ غضبناک ہوا''یعنی یہود ونصاریٰ اور وہ تمام کفار جن پر اللہ غضبناک ہوا اور ان پر لعنت کی اور وہ اللہ کی طرف سے دھتکار دیئے جانے اور اس کی رحمت سے دور کئے جانے کے مستحق ہوئے ان سے تم کیونکر دوستی کرسکتے ہو؟۔(تفسیر ابن کثیر 131/8)

بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت یہود کے متعلق ہے کیونکہ قرآن میں لفظ غضب یہود کے لئے آتا ہے جیسا کہ فرمایا﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾(الفاتحة:7) ''نہ کہ ان لوگوں سے جن پر غضب کیا گیا''۔اس تفسیر کی رو سے اس آیت میں ایک نیا ضابطہ بیان کیا گیا جس کا مقصد مومنوں کا کفار کی اس خاص قسم یعنی یہود سے قطع تعلقی کو ثابت کرنا ہے۔(تفسیر اضواء البیان 331/5)

درحقیقت لفظ غضب اگرچہ عام طور پر یہود کے لئے آتا ہے لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ ان کے لئے خاص نہیں ہے اس لئے کہ قرآن میں یہ لفظ منافقین اور مشرکین کے لئے بھی آیا ہے فرمایا﴿ وَّ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ

دَآئِرَۃُ السَّوْءِ وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَ لَعَنَھُمْ وَ اَعَدَّ لَھُمْ جَھَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴾(فتح:6) ''اور وہ اللہ کے ساتھ بدگمانی کرنے والے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا اور ان پر برائی کا گھیرا ہے اور اللہ ان پر غضبناک ہوا اور ان پر لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار کی ہے اور وہ پلٹنے کی بہت بری جگہ ہے''۔لہٰذا عام کفار والی تفسیر ہی راجح ہے۔یہاں ایک زبردست نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود اور ان جیسوں پر غضبناک اس لئے ہوا کہ انہوں نے ہدایت اور حق کو جان لینے کے باوجود اس سے اعراض کیا گویا اس آیت کے ذریعے ضمناً مومنوں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ اگر انہوں نے بھی اس سورت میں بیان کردہ احکامات کو جان لینے کے باوجود بھی ان سے اعراض کیا اور ان کی طرف توجہ نہ دی تو وہ بھی خود کو یہود اور دیگر کفار کی طرح اللہ کے غضب کا مستحق بنالیں گے اور یہ یہود و دیگر کفار کی طرح مغضوب علیہم کی روش پر چلنے سے ڈرانے اور بچانے کی انتہائی کوشش ہے خاص طور پر اس لئے بھی کہ وہ ﴿ قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَۃِ ﴾(ممتحنۃ:13) ''وہ آخرت سے مایوس ہیں''۔یعنی آخرت میں ثواب اور آخرت کی نعمتوں سے بالکل اس طرح مایوس ہیں ﴿ کَمَا یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴾(ممتحنۃ:13) ''جس طرح کفار قبر والوں سے مایوس ہیں''۔یعنی جس طرح کفار اس بات سے ناامید ہیں کہ ان کے مردوں کو آخرت میں دوبارہ زندہ کیا جائے گا یا جس طرح مر کر قبر میں داخل ہونے والے کفار ہر طرح کی خیر اور توبہ سے مایوس ہو جاتے ہیں۔دونوں تفسیریں ایک معنی میں ہیں''۔

(خلاصہ تفسیر ابن کثیر 6/131-132)

درحقیقت اس سورت کو اس آیت پر اس لئے ختم کیا گیا ہے کہ اس میں اسی عظیم ایمانی ضابطے اور قاعدے کی تاکید ہے جو اس سورت کا مرکزی موضوع ہے یعنی ''اللہ کے دین کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی''،نیز اس آیت میں کفار سے دشمنی اور نفرت کو صراحت کے ساتھ علیحدہ ذکر کیا گیا ہے نیز یہ آیت کفار سے دشمنی اور نفرت اور اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے محبت اور دوستی میں واضح تقابل کے لئے کافی ہے اس طرح کہ اس سورت کے مطالعے اور اس میں غور وفکر اور اس کے احکام پر عمل پیرا

ہونے کے لئے مومنوں کے دلوں میں دوستی اور دشمنی اور محبت اور نفرت کا تعلق راسخ اور مضبوط ہو جائے گا بالفاظ دیگر یہ آیت ایک عام اور مختصر قاعدہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ:

اللہ اور اس کے گروہ سے محبت اور دوستی کرنے والے مومنو اپنے آپ کو ان کافروں کے ساتھ محبت اور دوستی کرنے سے بچاؤ جو تمہارے رب کے غضب کے حق دار بنے کیونکہ یہ راہ ہر طرح کی خیر سے محروم کر دیتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

تیسری فصل:

دوستی اور دشمنی کی تفصیلات طے کرنے میں سورۃ الممتحنہ کا انداز

اس عظیم سورت میں عقیدۃ الولاء والبراء (یعنی دوستی اور دشمنی کا عقیدہ) بیان کیا گیا ہے چونکہ اس سورت میں جو منہج اور ضابطہ بیان کیا گیا ہے وہ ایسا ہے کہ دور حاضر میں موجود مسلمانوں کے انحرافات اور اجتہادات مختلطہ کی تصحیح اور درستگی کرتا ہے اس لئے ہم پر ضروری ہے کہ ہم اس سورت میں بیان کردہ دوستی اور دشمنی سے متعلقہ مسائل پر خوب غور وخوض کریں تاکہ اس طرح مومنوں کے دلوں میں ایک ایسا پودا لگایا جا سکے جو روز بروز نشو ونما پاتا رہے تا آنکہ ایک مضبوط تناور پھلدار اور سایہ دار درخت بن جائے ذیل میں اسی انوکھے قرآنی ضابطے کی خصوصیات بیان کی جارہی ہیں:

(۱) جذباتی انداز:

اس سورت میں حقائق کو اجاگر کرنے اور مومنین کو یاددہانی کروانے کے لئے جذباتی اور اشتعال انگیز انداز جابجا اپنایا گیا ہے اور یہ قرآنی اسلوب عام طور پر ایسے مقامات پر اختیار کیا جاتا ہے جہاں مقصد کسی اہم معاملے پر غفلت سے نکال کر مستعد کرنا یا سرگرمی دکھانے پر آمادہ کرنا یا قربانی دینا یا اللہ کی راہ میں نچھاور ہوجانا مقصود ہو مثلاً جہاد اور دیگر مقامات وغیرہ اور چونکہ عقیدہ الولاء والبراء یعنی دوستی اور دشمنی کا عقیدہ اختیار کرنے کا معنی یہ ہے کہ تمام مخلوقات سے اپنے تعلقات ختم کرکے اللہ رب العالمین سے اپنا تعلق مضبوط کرنا اور ایسا کرنے کی صورت میں لامحالہ تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا اس لئے اس اہم معاملے پر آمادہ اور تیار اور مستعد کرنے کے لئے جذباتی اور اشتعال انگیز انداز اختیار کیا گیا جو سورت میں درج ذیل مقامات پر بہت واضح ہے:

(ا): **ایمانی پکار:** اس سورت کی ابتداء ایک ایسی ایمانی پکار سے کی گئی جو اہل ایمان کے نزدیک

سب سے زیادہ پسندیدہ ہے یعنی ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اے ایمان والو''۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب آپ سنیں کہ اللہ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے ایمان والو، کہہ رہا ہے تو اپنے کان کھڑے کر لو کیونکہ یا تو کسی خیر کا حکم دیا جا رہا ہوگا یا کسی برائی سے روکا جا رہا ہوگا'' (تفسیر ابن کثیر: 489/1)۔ گویا اس طرح کی ایمانی پکار سننے والے کے لئے تنبیہ ہوتی ہے کہ جس کام کا حکم دیا جا رہا ہے اسے اختیار کرنا ہے اور جس کام سے روکا جا رہا ہے اس سے رک جانا ہے یہ اہل ایمان کی صفت اور علامت ہے اس کے برعکس حکم کی اطاعت نہ کرنا اور نافرمانی کا ارتکاب کرنا اہل ایمان کی نہیں بلکہ کسی اور کی صفت اور علامت ہے اور جس کے دل میں لا الٰہ الا اللہ کا کچھ مقام ہوگا اس کے لئے اتنا اشتعال ہی کافی ہے۔

(۲): **کفار کی بری صفات سے آگاہ کرنا:** یہ صفات دو طرح کی ہیں۔ (ا): کافرانہ اور کفریہ طبیعت اور مزاج یہ عام ہے۔ (۲): صورتحال کے مطابق کفریہ طرز عمل یہ خاص ہے ان کی عام صفت یعنی عمومی کفر کے حوالے سے محض ان کا کفر اور کفریہ مزاج ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے دشمن ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿عَدُوِّی وَعَدُوَّکُمْ﴾ (ممتحنۃ: 1) ''میرا اور تمہارا دشمن'' اس کا معنی ہے کہ ان کفار سے براءت اور عداوت و بائیکاٹ کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہیں۔ اور ان کی خاص صفت بھی صورتحال کے مطابق ان کا کفریہ طرز عمل اختیار کرنا تو ان کی کئی مثالیں ہیں مثلاً کفار قریش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا دشمن بن جانا اور انہیں ایذائیں دینا اور انہیں مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دینا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ﴾ (ممتحنۃ: 1) ''وہ رسول کو اور خود تمہیں نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لا چکے ہو''۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ ان کی کفار کی دشمنی پر مسلمانوں کو مشتعل کرنا ہے جیسا کہ اس سے پہلے بھی ایسا کیا گیا کیونکہ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے درمیان سے صرف اس لئے نکال دیا کیونکہ وہ ان کی توحید اور ایک اللہ کی عبادت کو پسند نہ کرتے تھے''۔ (تفسیر ابن کثیر 110/8)

میں کہتا ہوں: اگرچہ اس اخراج (نکال دینے) سے ان کا نبی علیہ السلام اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ سے

نکال دینا مراد ہے لیکن اس کا اطلاق آئندہ پیش آنے والی اس طرح کی تمام صورتوں پر ہوتا ہے جیسا کہ آج کل کے کفار بھی مومنوں کو بے گھر اور شہر بدر کرتے رہتے ہیں اور ہم یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس سورت میں ان کے اس اخراج (یعنی کفار کا مسلمانوں کو بے گھر کرنے اور شہر بدر کرنا) بلکہ اس اخراج پر تعاون کو ان سے تعلقات قائم نہ کرنے اور ان سے دشمنی اور نفرت کی وجہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

(۳): **کفار مسلمانوں کے کبھی خیر خواہ نہیں ہو سکتے اس سے آگاہ کرنا:** اس اشتعال میں اس آیت نے یہ کہہ کر مزید اضافہ کر دیا کہ ﴿ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ﴾ (ممتحنة:1) ''وہ چاہتے ہیں کاش تم کفر کرلو''۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی پوشیدہ اور باطنی دشمنی کو ظاہر کر دیا تاکہ مسلمان ہوشیار ہو جائیں اور سمجھ جائیں کہ ان کی یہ ظاہری دشمنی عارضی اور وقتی نہیں بلکہ ان کی اس ظاہری دشمنی کی جڑ ان کے دلوں میں ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں کوئی خیر نہ ملے تو ان کی تم سے دشمنی پوشیدہ بھی ہے اور ظاہری بھی تو (اے مسلمانو) تم اس طرح کے دشمنوں سے کیونکر دوستی کرتے ہو؟ یہ بھی ان کی دشمنی پر مشتعل کرنا ہے''۔ (تفسیر ابن کثیر 111/8)

(۴): **آخرت یاد دلانا:** مسلمان آخرت کی امید رکھتا ہے اور قرآن کا اطاعت پر آمادہ کرنے اور نافرمانی سے باز رکھنے کے لئے ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرنے پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ خوش اور راضی ہو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اس بات کو محسوس کیا جا سکتا ہے فرمایا: ﴿لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ (ممتحنة:6) ''جو اللہ اور روز آخرت سے ملاقات کی امید رکھتا ہے''۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس (یعنی ابراہیم علیہ السلام کی اتباع و پیروی ۔مولف) پر اللہ اور دوبارہ زندگی پر ایمان رکھنے والے کو اشتعال دلا کر آمادہ کرتا ہے''۔ (تفسیر ابن کثیر 113/8)

② تقابلی انداز:

(یعنی ایک جیسے اور باہم مختلف و متضاد حالات و واقعات میں تقابل پیش کرنا) سورت الممتحنہ مسائل

کو پیش کرنے کے لئے اس انداز کو اختیار کرنے میں امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔اس طرح کہ سورت سے پہلے اصل مقصد ذکر کیا گیا پھر اس کی ایک عملی اور واقعی مثال پیش کی گئی پھر تقابلی طور پر اس کی ضد اور مخالف جہت کو بیان کیا گیا اور اس سے بھرپور انداز میں روکا گیا تاکہ حقیقت امر اچھی طرح منکشف ہو جائے اور اس کے مطابق عقیدہ اور عمل آسان تر ہو جائے یہ حسن اسلوب اور مسئلے کی اہمیت واضح کرنے کا بہترین نمونہ ہے کہ جو بھی اس سورت میں غور وفکر کرے گا اس کے دل میں یہ معانی اور مطالب راسخ ہو جائیں گے اس تقابل کے بعض نمونے درج ذیل ہیں:

(ا): اس سورت کی ابتداء میں کفار کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے ایک زاویے میں روکا گیا ہے جیسا کہ حاطب رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعد اس سورت کے دوسرے موڑ پر ابراہیم علیہ السلام کے قصے کے ذریعے ایک عملی نمونہ پیش کیا گیا اور چونکہ حاطب رضی اللہ عنہ کے واقعے میں کفار کے ساتھ ان کی ظاہری دوستی کی مذمت کی گئی تھی جبکہ ان کا دل اللہ اور اس کے بالکل صاف تھا اس لئے اس سورت کے دوسرے موڑ میں ابراہیم علیہ السلام کے اپنے کافر والد کے ساتھ طرز عمل کو مستثنیٰ قرار دیا گیا جبکہ ابراہیم علیہ السلام کا دل بھی اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل صاف تھا اور ان کے پاس ایک عذر اور ایک معقول ظاہری وجہ بھی موجود تھی جیسا کہ قرآن کریم کے دیگر مقامات پر اس کی وضاحت کی گئی ہے (اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ﴾(توبۃ:114) ''اور ابراہیم کا اپنے والد کے لئے بخشش طلب کرنا ایک وعدے کی بناء پر تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا پھر جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے وہ اس سے بری ہو گئے بے شک ابراہیم بہت رجوع کرنے والے بردبار تھے''۔اس آیت میں جس وعدے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر 4 موجود ہے۔مترجم) ان دو نمونوں کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حق اور باطل میں اچھی طرح فرق ہو جائے اور واضح ہو جائے کہ کون سا پہلو قابل تعریف اور کون سا قابل مذمت ہے اور کس مقام پر اتباع کی جائے گی اور کون سا مقام اتباع سے مستثنیٰ ہے لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے گا یہاں ایک اور نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ دونوں

مقامات پر عظیم شخصیات ہیں ایک جانب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو کہ اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں تو دوسرے مقام پر حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ بدری صحابی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بدری صحابہ کو بخش دیا تھا ان فضائل ومناقب کے باوجود مذمت (حاطب رضی اللہ عنہ کے ظاہری عمل پر) اور استثناء (ابراہیم علیہ السلام کے طرز عمل سے) سے نہیں رکا گیا یہاں سے اس مسئلے کی اہمیت اور معاملے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دونوں مقامات صرف اس پہلو کو اجاگر کرنے کے لئے بیان کئے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۲): اس کے بعد اس سورت میں کفار کے ساتھ دشمنی اور نفرت رکھنے اور ان سے تعلقات منقطع کرنے کے عام اصول کو دو تقابلی اور باہم متضاد نمونوں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے ایک طرف ان کفار کا تذکرہ ہے جنہوں نے نہ تو مسلمانوں سے جنگ کی نہ ہی انہیں بے گھر کیا جیسا کہ فرمایا: ''جنہوں نے مسلمانوں سے لڑائی نہ کی اور نہ ہی انہوں نے انہیں ان کے گھروں سے نکالا''۔ ان کے کفار کے ساتھ نیکی اور انصاف کے ساتھ پیش آنے کی اجازت دی گئی ان کے مقابلے میں ان کفار کا تذکرہ ہے جنہوں نے مسلمانوں سے نہ صرف جنگ کی بلکہ انہیں ان کے گھروں سے بھی نکالا جیسا کہ فرمایا: ''جو مسلمانوں سے لڑے اور انہوں نے انہیں ان کے گھروں سے نکالا اور انہیں ان کے گھروں سے نکالنے پر تعاون کیا''۔ ان کفار کے ساتھ کسی بھی طرح کے تعلقات کو حرام قرار دیا گیا سوائے دشمنی اور نفرت کے تعلق کے۔ اس انداز سے خوب اچھی طرح فرق ہو گیا اور معاملہ واضح ہو گیا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ہر شئے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

(۳): اللہ کے لئے ہجرت اور دنیا کے لئے ہجرت میں تقابل کیا گیا جیسا کہ آیت امتحان میں ضمناً یہ تقابل پیش کیا گیا بلکہ امتحان کا معنی ومقصد ہی یہ تھا کہ اس تقابل سے فرق ہو جائے اور حقیقت منکشف ہو جائے کہ ہجرت اللہ کے لئے ہے یا دنیا کے لئے یہاں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ چونکہ دنیا کی خاطر ہجرت کرنا ناقابل تعریف اور حقیر کام ہے جس کی کچھ اہمیت نہیں لہٰذا مناسب تھا کہ اس آیت میں اس طرح کی ہجرت کا صراحت کے ساتھ ذکر نہ کیا جائے چنانچہ امتحان کے مقصد کے ضمن میں اسے سمجھا دیا گیا گویا یہ صرف اللہ کی خاطر ہجرت کی اہمیت اور تاکید کو بیان کیا گیا ہے۔

(۴): کفار کے اپنے مردوں کے بروز قیامت دوبارہ زندہ نہ کئے جانے کے فیصلے اور اللہ کے اس فیصلے کے درمیان تقابل کہ انہیں آخرت میں ثواب یا نعمت کچھ بھی نہیں ملے گا گویا انہیں ان کے بد عقیدے کے مطابق سزا دی گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کفار کے متعلق یہ فرمان کہ ﴿كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ﴾ (ممتحنة:13) ''جس طرح کفار قبر والوں سے مایوس ہیں''۔ یہ کفار کے جھوٹے عقیدے کا بیان ہے یعنی انہیں اپنے مردوں کے دوبارہ زندہ کئے جانے کی بالکل امید نہیں ہے اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ بیان فرمایا: وہ آخرت سے مایوس ہیں۔ یعنی اللہ کے فیصلے کے مطابق وہ بروز قیامت ہر طرح کی خیر یا نعمت سے بالکل نا امید اور مایوس ہیں عدل وانصاف کا بھی یہی تقاضا ہے۔

یہ چند مقامات تھے جن میں تقابلی صورت بیان کی گئی ہے تا کہ حق اور باطل اور دوستی اور دشمنی اور محبت اور نفرت میں خوب اچھی طرح فرق اور امتیاز ہو جائے اور رسولوں کی بعثت کے بعد کسی مسلمان کے لئے کوئی مزید حجت باقی نہ رہے سو تمام تعریفات اس اللہ کے خاص ہیں جس نے ہمیں اپنی اس عظیم کتاب کے مخاطبین میں شامل فرمایا۔

③ قرآن وسنت کا ایک دوسرے کی تکمیل کرنا

سنت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حجت اور اعتبار میں قرآن کریم کی ساتھی اس کی مثل ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم:3-4) ''اور وہ خواہش سے نہیں کہتا وہ سوائے وحی کے اور کچھ نہیں ہوتا''۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خبردار میں کتاب اور اس کے ساتھ اس جیسی چیز دیا گیا ہوں'' (ابو داؤد کتاب السنة حدیث نمبر 3988)۔ سورۃ الممتحنہ بعض ایسے بہترین نمونوں پر مشتمل ہے جس میں قرآن وسنت ایک دوسرے کی تائید اور تکمیل کرتے ہیں ذیل میں ایسے دو نمونے پیش کئے جا رہے ہیں جو دونوں قسم کی وحی کے نصوص کی باہمی تکمیل وتاکید کے پہلو کے اعتبار سے اس سورت کے مسائل کو ثابت کرنے میں اہم کردار کے حامل ہیں۔

(۱): اس کا تعلق مومن عورتوں کا ہجرت کر کے آنا اور انہیں کفار کے حوالے کر دینے سے ہے

ہم پڑھ چکے ہیں کہ نبی ﷺ اور کفار قریش کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اس کی شروط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مسلمان نبی ﷺ کے پاس بھاگ کر آ جائے گا تو آپ اسے ان کے حوالے کریں گے یہ شرط مرد و عورت دونوں پر لاگو ہوتی تھی لیکن چونکہ عورتوں میں سرپرستی کی اہلیت نہیں ہوتی اور وہ اپنے سرپرستوں کے ماتحت رہتی ہیں اور اسلام غالب ہونے کے لئے آیا ہے نہ کہ مغلوب ہونے کے لئے تو ان امور کے پیش نظر قرآنی وحی نازل ہوئی جس میں عورتوں کو اس شرط سے مستثنیٰ اور خارج قرار دیا گیا جو سنت کے ذریعے طے پائی تھی۔ ابن کثیر رحمہ اللہ صلح حدیبیہ کی اس شرط کے متعلق گفتگو کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اس روایت کے مطابق یہ آیت اس سنت کی تخصیص (عمومی حالت سے خاص حالت کو الگ کرنا) کر رہی ہے اور یہ تخصیص کی بہترین مثالوں میں سے ہے اور بعض سلف کے طریقے کے مطابق یہ آیت ناسخ ہوگی''۔ (تفسیر ابن کثیر 117/8)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت اس کے لئے ناسخ ہے جس پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قریش سے معاہدہ کر رکھا تھا''۔ (تفسیر قرطبی 57/18)

اس اعتبار سے قرآنی وحی اور حدیثی وحی ایک دوسرے کی تائید و تکمیل کر رہی ہیں اگرچہ عام اور مشہور قاعدہ یہی ہے کہ سنت قرآن کے اجمال کو بیان کرتی ہے اس کے مطلق کو مقید کرتی اور اس کے عام کو تخصیص کرتی ہے لیکن یہاں اس کے برعکس قرآن کا سنت کی تخصیص کرنا ''عقیدۃ الولاء والبراء'' دوستی اور دشمنی کا عقیدہ کے مسائل کی سنگینی اور اہمیت کو اجاگر کر رہا ہے اس طرح کہ قرآن وحدیث ان دونوں قسم کی وحی کے نصوص ایمانی دوستی کے اس مسئلے کو بیان کرنے میں ایک دوسرے کی تکمیل اور تائید کر رہے ہیں جیسا کہ ابھی گزرا۔

(۲): اس نمونے میں قرآنی وحی اور حدیثی وحی دونوں کے درمیان کامل ترین موافقت ظاہر ہوتی ہے اس طرح کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو بدر میں بھی موجود تھے اور بیعت عقبہ میں بھی شامل تھے یہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ کے اردگرد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت موجود تھی کہ آپ نے فرمایا: ''میرے سے بیعت کرو اس بات پر کہ تم اللہ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کرو گے اور چوری نہ

کروگے اور زنا نہ کروگے اور اپنی اولاد کو قتل نہ کروگے اور کوئی ایسا الزام نہ لگاؤ گے جو تم نے خود تراشا ہو اور کسی معروف کام میں نافرمانی نہ کروگے پھر تم میں سے جو وفا کرے گا تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو ان میں سے کسی کا ارتکاب کرے پھر اسے دنیا میں اس کی سزا دیدی جائے گی تو یہ اس کے لئے کفارہ ہوگا اور جو ان میں سے کسی کا ارتکاب کرے پھر اللہ اس پر پردہ ڈال دے تو وہ اللہ کے سپرد ہے اگر چاہے اس سے درگزر کرے اور اگر چاہے اسے سزا دے پس ہم نے اس پر آپ کی بیعت کرلی"۔(صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث نمبر17)

اس بیعت کی شرطوں پر غور کریں جو مردوں سے لی گئی نیز وہ بیعت جو عورتوں سے لی جاتی اس کی شرطوں پر بھی غور کریں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَ اَرْجُلِھِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ اللّٰہَ﴾(ممتحنة)"جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں وہ اس بات پر آپ کی بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں گی اور چوری نہ کریں گی اور زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور کوئی ایسا الزام نہ لگائیں گی جو انہوں نے خود تراشا ہو اور کسی معروف کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان کی بیعت لے لیں اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگئے"۔دونوں بیعتوں کی شرط ایک ہی ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ایک قرآنی وحی ہے اور دوسری حدیثی وحی ہے بلکہ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے فرماتے ہیں: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ نے فرمایا:"کیا تم میری بیعت کرتے ہو اس بات پر کہ تم اللہ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کروگے اور زنا نہ کروگے اور چوری نہ کروگے اور آیۃ النساء پڑھی"(صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث نمبر 4894)۔آیت النساء سے مراد آیت بیعت ہے یہی سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر 12 قرآن وسنت میں اتفاق واتحاد کی یہ عظیم الشان مثال ہے اور یہ اتفاق واتحاد کیوں نہ ہو ان دونوں کا سرچشمہ ایک جو ہے۔

④ آیات کے اختتام میں اللہ کے ناموں کی مناسبت

جس طرح قرآن کی دیگر سورتوں کی آیات میں غور وفکر کرنے والا محسوس کرتا ہے اسی طرح سورۃ الممتحنہ کی آیات میں غور وفکر کرنے والا بھی واضح طور پر محسوس کرلے گا کہ ان آیات کے اختتام میں اللہ کے ناموں اور اس سورت کے مضمون میں زبردست مناسبت پائی جاتی ہے یہ معنوی قوت ومناسبت اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ یہ شریعت وقانون ایک ایسی ذات کی جانب سے نازل کردہ ہے جو اپنی مخلوقات کی تمام حالتوں سے واقف ہے اور اس کی شریعت وقانون سازی بے شمار حکمتوں سے بھرپور ہے ذیل میں اس طرح کی چند مناسبتیں پیش کی جارہی ہیں:

(۱): اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَ مَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ يَبْسُطُوْآ اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (ممتحنة:1 تا3) ''اور جو کچھ تم چھپاتے ہو میں اسے بھی جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو میں اسے بھی جانتا ہوں اور تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا اگر انہیں تم پر دست کاری کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے دشمن بن جائیں اور اپنے ہاتھ اور اپنی زبانی برے ارادے سے بڑھائیں اور چاہیں کاش تم کافر ہو جاؤ تمہیں تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد بروز قیامت ہرگز نفع نہ پہنچا سکیں گی وہ تمہیں جدا جدا کردے گا اور جو کچھ تم کررہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے''۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو یہ بتارہا ہے کہ جس طرح وہ مومنوں کے ظاہری اور باطنی تصرفات سے آگاہ ہے اسی مومنوں کے دشمنوں کی ظاہری اور باطنی سازشوں اور بغض وعناد سے بھی آگاہ ہے نیز یہ بھی بتارہا ہے کہ اس بات کی امید رکھنی چاہیے کہ بروز قیامت دونوں فریقوں کے مابین قطعی فیصلہ کردیا جائے گا لہٰذا اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ''اور جو کچھ تم کررہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے'' تاکہ مومنوں کو اس بات پر غایت درجے کا اطمینان وتسلی رہے کہ یہ احکامات اور پابندیاں ایک ایسی ذات کی جانب سے ہیں جو ہر شئے کا مکمل علم

رکھتا ہے اور ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے اور ان کے اعمال اور ان اعمال کے نتائج تک سے باخبر ہے چنانچہ اس کے احکامات پر عمل پیرا ہونے اور ان کی اتباع کرنے میں بالکل بھی تردد اور تاخیر نہیں کرنی چاہیئے اگر چہ ایسا کرنے میں ساری مخلوقات سے ناطہ توڑنا پڑے۔

(۲): اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿رَبَّنَا لاَ تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَاغۡفِرۡلَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ﴾ (ممتحنة:5) ''اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے آزمائش نہ بنانا اور ہمیں بخش دینا اے ہمارے رب بے شک تو غالب حکمت والا ہے''۔اس دعا میں اسم عزیز (غالب) اور اسم حکیم (حکمت والا) بہت مناسب ہیں اس طرح کہ اہل ایمان نے اس دعا میں مخلوقات سے ناطہ توڑ کر اللہ کی جناب میں پناہ پکڑ لی ہے وہ اسی کی ذات سے غلبے کی امید رکھتے ہیں کیونکہ وہ عزیز یعنی غالب ہے وہ اپنے غیر کا محتاج نہیں ہے نیز اس دعا میں اہل ایمان اس بات کا اقرار کررہے ہیں کہ وہ حکیم یعنی حکمت والا ہے اس کے تمام احکامات اور اس کی طرف سے آنے والی تمام آزمائشیں حکمت سے بھرپور ہیں۔اس پر تفصیلی بحث کی جا چکی ہے یہاں صرف تنبیہ مقصود تھی۔

(۳): اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَن يَتَوَلَّ فَاِنَّ اللهَ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ﴾ (ممتحنة:6) ''اور جو ان سے دوستی کرے گا تو اللہ یقیناً بے پرواہ ہے تعریف کیا گیا ہے''۔اس میں اس وہم کو دور کیا گیا ہے کہ اللہ کسی مخلوق کا محتاج ہوسکتا ہے وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے غنی یعنی بے پرواہ ہے اور ساری خلقت اس کی محتاج ہے اسے نہ تو کسی کی اطاعت نفع پہنچا سکتی ہے نہ ہی کسی کی نافرمانی اسے نقصان دے سکتی ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے بے پرواہ اور اپنی صفات کے اعتبار سے حمید یعنی تعریف کیا گیا ہے یہ بھی کمال درجے کی مناسبت و مطابقت ہے۔

(۴): اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَاللهُ قَدِيۡرٌ وَاللهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ﴾ (ممتحنة:7) ''اور اللہ قدرت والا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے'' اس میں بخشش و درگزر کا دروازہ کھولا گیا ہے اللہ تعالیٰ جو دلوں کی حالت بدل دینے والا ہے وہ ان دلوں کو ہدایت دینے اور انہیں کفر سے پاک کرنے پر قادر ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو ایمان کی توفیق دے دیتا ہے تو اس کی بخشش و رحمت اس پر نچھاور ہونا

شروع ہو جاتی ہے لہٰذا اسلام اس کے دل میں موجود کفر کو اکھاڑ پھینکتا ہے اور بندہ کفر و شرک کی تنگی، گھٹن اور اندھیرے سے نکل کر یقین کی نعمت سے سرفراز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (ممتحنة:12) ''تو آپ ان سے بیعت لے لیجئے اور اللہ سے ان کے لئے بخشش طلب کیجئے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔ کے آخر میں غفور رحیم کی بھی یہی مناسبت ہے کہ جو بھی کفر سے نکل کر اس سے براءت کا اظہار کرے اور ایمان کا لباس پہن لے اور اہل ایمان سے تعلقات قائم کرے تو اس کی سابقہ نافرمانیاں اور کفر اسے نقصان نہیں پہنچا ئیں گی نہ ہی اسے ایمان کی خیر اور اس کے مطابق عمل سے روکیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑی وسیع رحمت اور بخشش والا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی وسیع رحمت و بخشش سے معاف فرما دے گا۔

(۵): اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ (ممتحنة:10) ''اور اللہ علم والا حکمت والا ہے''۔ یہ فرمان آیت امتحان میں وارد شدہ تمام احکام سے گہری مناسبت رکھتا ہے خاص طور پر اس لئے کہ اس میں سابقہ تمام تعلقات ختم کر کے نئے ایمانی تعلقات قائم کرنے کا حکم ہے اور ایسا کرنے کی صورت میں مال اور بیویوں کے چھوٹ جانے کا امکان بھی ہے لہٰذا مومنوں کے دلوں کو اس طرح ثابت قدم رکھا گیا ہے کہ یہ احکام ایسی ذات کی جانب سے ہیں جو اپنی مخلوق کی حالت سے واقف ہے اور اگر وہ انہیں کسی آزمائش میں مبتلا کرے تو اس کا یہ عمل بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

سورۃ الممتحنہ کا یہ وہ منفرد قرآنی ضابطہ ہے جو اس سورت کے معانی اور اس کے احکام کی پختگی میں برابر حصہ دار ہے اور اگر چہ بلاشبہ مزید غور و فکر کیا جائے تو مزید نکات و خصوصیات سامنے آئیں گی لیکن ہم یہیں پر اکتفاء کرتے ہیں کیونکہ اس سورت میں پیش کردہ اس عظیم منہج اور ضابطے کی خصوصیات کو اجاگر کرنا مقصود تھا جو کہ حاصل ہو چکا۔ وللہ الحمد والمنہ

خاتمہ

سابق میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ سورۃ الممتحنہ واقعتاً سورۃ الولاء والبراء یعنی

دوستی اور دشمنی کی سورت ہے اور میری یہ بات یقیناً مبالغہ نہیں ہے نہ ہی بحث یہ شروع میں میرے پیش کردہ موقف اور دعویٰ کی تائید ہے بلکہ ہم نے اس سورت کے الفاظ کی جس انداز میں تفسیر کی ہے اس سے ہر انصاف پسند یہی نتیجہ اخذ کرسکتا ہے۔ کیونکہ اس سورت کی ہر آیت اور آیت کے ہر حصے کا تعلق دوستی اور دشمنی سے ہے خواہ وہ عقیدے کی جہت سے ہو یا قول وعمل کی جہت سے۔

سورۃ الممتحنہ کا خلاصہ

میں نے کوشش کی ہے کہ سورۃ الممتحنہ میں پیش کردہ اہم نکات کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کروں جو کہ درج ذیل ہے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے میں اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوں:

① دوستی اور دشمنی کے ان مسائل میں سے ہے جس کا اہتمام مدنی سورتوں میں بھی اسی طرح ہے جس طرح مکی سورتوں میں ہے البتہ مدنی سورتوں میں اس کے احکام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

② دوستی اور دشمنی کا عقیدہ اسلام کا اصل ضابطہ ہے اس کے مقابلے میں کسی بھی طرح کے تعلق کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا خواہ وہ تعلق مادی ہو یا خونی یا نسلی یا ازدواجی بلکہ ان تمام تعلقات کو ایمانی دوستی اور محبت کے اس اصل ضابطے کے تحت قائم یا منقطع کیا جائے گا جس طرح اس اصل ضابطے کا تقاضا ہو اور اگر کوئی اپنے کفر پر قائم رہے تو اس سے کسی بھی طرح کا ایمانی تعلق قائم نہیں کیا جاسکتا اور دنیاوی تعلق بھی محدود صورت میں اس وقت قائم کیا جاسکتا ہے جب وہ نہ لڑا ہو نہ اس نے بے گھر کیا ہو نہ بے گھر کرنے پر تعاون کیا ہو۔

③ اس سورت میں دوستی اور دشمنی کے منہج میں اللہ کے مقرب ترین بندوں یعنی انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی اتباع اور پیروی کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے ایسے ہی جو لوگ ان کے منہج پر کماحقہ چلے ان کے نقش قدم پر چلنے کی ضرورت واہمیت کو بیان کیا گیا ہے تاکہ ہم بھی ان کی راہ اپنا کر اسی کامیابی اور اللہ کی رضا کو حاصل کرلیں جو انہوں نے حاصل کی۔

④ کچھ دوستی اور کچھ دشمنی کے مسئلے کو اچھی طرح سمجھایا گیا ہے کہ بسا اوقات ایک ہی شخص میں ایمان اور گناہ اور اسلام اور فسق اور فرمانبرداری اور نافرمانی جمع اور یکجا ہو جاتی ہیں ایسے شخص سے ایک اعتبار سے دوستی اور محبت کی جائے گی اور دوسرے اعتبار سے نفرت کی جائے گی دوستی اور محبت اس اعتبار سے جو حق کے مطابق ہو اور نفرت اس اعتبار سے جو باطل کے مطابق ہو اللہ ان گناہوں اور نافرمانیوں اور باطل سے بعض امور میں موافقت کے سبب اس سے اصل ایمانی دوستی اور محبت کا تعلق کلی طور پر ختم نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ تعلق اس کے ایمان مجمل کی بنیاد پر قائم کیا جاتا ہے الا یہ کہ وہ ایمان کی حد توڑ ڈالے اور کسی ایسے قول وفعل یا عقیدے کا حامل بن جائے جو اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

⑤ اللہ ہی کی منت سماجت کرنی چاہیئے اس پر کامل توکل اور بھروسہ ہونا چاہیئے اسی کی طرف مائل ہونا اور جھکنا چاہیئے اور اس کی اطاعت پر مطمئن اور پرسکون رہنا چاہیئے اور اس بات کی امید لگائے رکھنا چاہیئے کہ اللہ کے پاس جو انعامات اور بدلے ہیں وہ ہی بہتر ہیں اور اللہ کے سوا اور کسی سے بھی اس طرح کی امیدیں وابستہ نہیں کرنا چاہیئے ہیں۔

⑥ اس بات پر کامل اور مکمل یقین رکھنا چاہیئے کہ کفار کا وقتی اور عارضی غلبہ اہل ایمان کے لئے امتحان اور کفار کے لئے مہلت ہے لہٰذا کفار کی اس ظاہری شان وشوکت سے دھوکہ کھا کر اللہ کی ہدایت اور دین حق میں کوتاہی نہیں برتنی چاہیئے۔

⑦ کفار کی دونوں قسموں یعنی صلح پسند کفار اور جنگجو کفار کے ساتھ معاملات میں شرعی ضابطوں اور حدود کی مکمل رعایت کرنی چاہیئے چنانچہ امن پسند کفار سے تعلقات میں اور بے جا حمایت اور طرفداری سے اور جنگجو کفار کے ساتھ معاملات میں نرمی اور خود فریبی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

⑧ اللہ اور اس کے رسول کی ہجرت میں اخلاص نیت اور اتباع سنت کا مکمل اہتمام ہونا چاہیے اور تاحیات اس اخلاص واتباع کی تجدید وتوثیق کرتے رہنا چاہیئے۔

⑨ توحید اور اطاعت پر اللہ کے رسول کی بیعت میں اس یقین کے ساتھ داخل ہونا چاہیئے

کہ اللہ تعالیٰ ہر توبہ کرنے والے کے گناہوں کو بخش دیتا ہے کیونکہ یہ بیعت ایک ایسا اسلامی شعار ہے کہ تمام مسلمان اسی کی بنیاد پر ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور اسی بنیاد پر ایک دوسرے سے تعلقات قائم کرتے ہیں اور مشکلات میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

⑩ کفار کی ظاہری شان وشوکت اور مادی ترقی سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کیونکہ بہر حال وہ اللہ کے دشمن ہیں اللہ ان پر غصہ ہے وہ بالآخر دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ اٹھائیں گے اور آخرت میں ان کے پاس سوائے خسارے اور نقصان کے اور کچھ نہ آئے گا چنانچہ ان سے دوستی بھی سراسر گھاٹا ہے۔

⑪ دوستی اور دشمنی کے اس عقیدے کو چھوڑنے اور اس کی پرواہ نہ کرنے پر شدید تنبیہ کی گئی ہے کیونکہ یہ سستی دین سے خارج اور کفر ونفاق کی پستیوں میں گرا دیتی ہے۔ساتھ ہی اس بات پر بھی تنبیہ ہے کہ اس عقیدے کو دل یا زبان یا اعضاء یا ان سب کے ذریعے توڑا جاسکتا ہے اور ان سب کی بھی مکمل حفاظت کرنی چاہیئے۔

میں نے اب جتنی بھی مباحث ذکر کیں وہ سب کی سب انہی اہم نکات پر مشتمل ہیں اگر چہ میں نے کچھ جزوی اور ذیلی مباحث بھی کی ہیں لیکن وہ بھی فائدے سے خالی نہیں ہیں۔اور روشن ترین حقیقت تو یہ ہے کہ اس سورت میں موجود احکام ومسائل کو اختیار کرنا اور ان کی اتباع کرنا ضروری ہے اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ جب ہم اس سورت کے سیاق وسباق اور اس کی موضوعی یگانگت اور آیات کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات اور مناسبات کو ذہن نشین رکھیں ان سب سے پہلے ہم اللہ شیطان مردود سے پناہ مانگیں اور پھر اپنے آپ سے سوال کریں کہ:

اس آیت پر ہمارا عمل کیا ہے اور کتنا ہے؟

اس آیت میں موجود حکم اور نہی (کسی کام سے روکنا) کے ہم کس قدر پابند ہیں؟

اوران دونوں گروہوں میں سے ہم کس میں شمار ہوتے ہیں آیا اللہ اور اس کے دوستوں کے گروہ میں جن کی ہمیشہ مدد کی جاتی ہے یا اللہ اور اس کے لشکر کے دشمنوں میں جن پر ہمیشہ غضب ڈھایا جاتا ہے؟

آخری بات!

اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ میری اس کاوش میں اپنی توفیق ورحمت خاص شامل حال رکھے اور میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس تحریر میں جو بھی خیر و بھلائی اور حق وخوبی ہے وہ سراسر اسی کی جانب اور محض اس کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے اور اگر اس میں کوئی خامی یا غلطی ہے تو مجھ کوتاہ اور شیطان معلون کی جانب سے ہے اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں اور میں بھی اس سے براءت کا اظہار کرتا ہوں اور اس پر نادم ہوں اور اس سے رجوع کرتا ہوں اس کی حیثیت ایک خطا کار کی کوتاہی اور اس کے اجتہاد غیر معصوم سے زیادہ نہیں لیکن یہ اللہ کی رحمت ہی ہے جس کی ہم امید رکھتے ہیں اور جس کے زیر سایہ ہم اللہ کے احکامات کی اتباع کرتے ہیں اور اس کی کتاب مقدس میں غور وفکر کرتے ہیں وگرنہ ارادے اور کوششیں کہاں امید اور انجام کہاں؟

عظمت والے اللہ سے میری دعا ہے کہ وہ ہماری لغزشوں سے درگزر فرمائے اور ہمارے احوال کی اصلاح فرمائے اور ہمارے اعمال کو قبول ومنظور فرمائے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔ آمین

تالیف: وسیم محمود فتح اللہ حفظہ اللہ

ترجمہ وتفہیم: مدثر احمد بن محمد ارشد لودھی حفظہ اللہ

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

website: http://www.muwahideen.tk

Email : info@muwahideen.tk

فہرس المراجع

١) اصول الفقة – محمد أبوزهرة – دارالفكر العربي – القاهرة – 1977

٢) أضواء البيان فى ايضاح القرآن بالقرآن – محمد الأمين الشنقيطى وتمته لعطية محمد سالم – دار أحياء التراث العربي – بيروت – الطبعة الأولى – 1996

٣) تفسير القرآن العظيم – الحافظ ابن كثير – تحقيق مجلس التحقيق العلمي دارالفتح – دارالفتح – الشارقة – الطبعة الأولى – 1999

٤) الجامع لأحكام القرآن – الامام القرطبي – تحقيق محمد عبدالرزاق المهدى – دارالكتاب العربي – الطبعة الثانية – 1999

٥) الرحيق المختوم – صفى الرحمن المباركفورى – مؤسسة التاريخ العربي – بيروت – الطبعة الأولى – 1996

٦) شرح صحيح مسلم – الامام النووي – المكتبة العصرية – بيروت – الطبعة الأولى – 2001

٧) فتح الباري شرح صحيح البخاري – الحافظ ابن حجر العسقلاني – تحقيق الشيخ عبدالعزيز بن باز – دارالفكر – بيروت – 1993

٨) القاموس المحيط – الفيروزآبادي – مؤسسة الرسالة – بيروت – الطبعة الثالثة – 1993

٩) مجموع الفتاوى – شيخ الاسلام ابن تيمية – دارالجيل – الطبعة الأولى – 1997

١٠) مناهل العرفان فى علوم القرآن – عبدالعظيم الزرقانى – المكتبة العصرية – بيروت – 2001

١١) الموافقات فى أصول الاحكام – الأمام الشاطبي – دارالفكر للطباعة والنشر

۱۲) موسوعة الحديث الشريف (الكتب الستة) اشراف ومراجع الشيخ صالح بن عبدالعزيز آل شيخ – دارالسلام –الرياض – الطبعة الثالثة – 2000